دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

۵۷ ویں جلد

از جنوری ۱۹۴۶ء تا جون ۱۹۴۶ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مطبع معارف پریس اعظم گڈھ

فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد ۵۷

جنوری ۱۹۴۶ء تا جون ۱۹۴۶ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

شمار	اسمائے گرامی	صفحہ	شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	جناب مولوی ابو الطیب عبد الرشید صاحب	۳۰۱	۷	جناب مولوی سید احمد صاحب عروج	۲۰۶
	بریلوی،			قادری مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ	
۲	ڈاکٹر اختر امام ایم اے علیگ پی ایچ ڈی	۴۶۸	۸	سید سلیمان ندوی،	۴۳، ۱۶۵، ۱۸۲، ۱۵۲، ۱۹۳، ۲۲۹، ۲۴۳، ۲۴۵، ۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۴۳، ۴۰۲
	(بون) صدر شعبۂ عربی کولمبو یونیورسٹی				
۳	جناب مولانا امتیاز علی خان صاحب عرشی	۱۶۵-۲۶۱، ۲۳۸	۹	جناب شجاع الدین صاحب ایم اے	
	ناظم کتب خانہ ریاست رامپور،			پنجاب یونیورسٹی ریسرچ اسکالر،	۵۲، ۱۲۵
۴	نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن	۲۹۹	۱۰	جناب شوکت سبزواری ایم اے،	۶۴، ۱۳۶،
	خان شروانی		۱۱	جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن	۳۲، ۷۷، ۱۰۸، ۱۶۸، ۲۳۰
۵	جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ استاذ جامعہ	۸۵-۱۴۶		صاحب (علیگ)، رفیق دار المصنفین	
	عثمانیہ حیدر آباد دکن،	۴۷۱	۱۲	جناب صغیر حسن صاحب معصومی ایم اے	۳۵۹
۶	مولانا سید ریاست علی ندوی،	۷۱، ۱۴۸، ۳۰۹، ۲۶۸		ریسرچ اسکالر ڈھاکہ یونیورسٹی	

فہرست مضامین

جلد ۵۷

جنوری سنہ ۱۹۴۶ء تا جون سنہ ۱۹۴۶ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد ۵۷ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۴۶ء عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

عیسائی مورخ مسلمانون پر یہ الزام لگاتے رہے ہین کہ انھون نے تلوار کے زور سے دوسرے مذاہب کو مٹایا ہے، خیر وہ تو عیسائیون کے بقول تاریکی کا زمانہ تھا، لیکن آج تمدن اور تہذیب اور ترقی کی روشنی مین امریکہ کے سپہ سالار اور جاپان کے مختار مطلق نے اپنے فرمان سے جاپان کے سرکاری مذہب شنتوازم (اسلاف پرستی) کا خاتمہ کر دیا، کہ اب نہ وہ جاپان کا سرکاری مذہب رہے گا، اور نہ اس کے مندرون پر سرکاری خزانہ سے کوئی رقم خرچ ہوگی، نہ جاپان کا امپرر اس مذہب کا اعلیٰ عہدہ دار اور بزرگون کا نمایندہ اور خدا کا مظہر سمجھا جائے گا، اس کو کیا کہا جائیگا، عجب نہین کہ امریکہ کی تاریخ مین اس واقعہ کا ذکر آزادی مذاہب کے تحت مین درج ہو اور بتایا جائے کہ امریکہ نے جاپان کو اوہام کی تاریکی اور انسانی پرستش کی ظلمت سے نکال کر اس کے لئے حقیقت کے نور تک پہنچنے کے لئے راستہ صاف کر دیا، لیکن اگر مسلمانون نے دنیا سے شرک و کفر کو مٹانے کے لئے ایسی ہی مجاہدانہ سرگرمیان دکھائین تو وہ کیون مورد الزام ہون،

بہرحال اب اس فرمان کی رو سے جاپان مین تمام مذاہب کو یکسان حقوق حاصل ہون گے جو اب تک وہان بہت سے مذاہب کو حاصل نہ تھے، لیکن ظاہر ہے کہ ان حقوق سے وہی زیادہ فائدہ اٹھائین گے جن کے ہاتھون مین تلوار بھی ہے گویا اس عموم کے تحت مین جیسا کہ بعض لوگون کا خیال ہو، عیسائی مشنریون کو جو وہان سپاہیون کے جھرمٹ سے الگ صلح و امان کے نام سے کام کر رہی ہین، اصل مین فائدہ پہنچانا مقصود ہے، افسوس کہ اس وقت اسلام غربت کی حالت مین ہے اور مسلمان غفلت کے خواب مین چین اور جاوا کے مسلمان جو قرب کی بنا پر

اس خدمت کے مستحق تھے، وہ کلیۃً سیاسی فکرون مین منہمک ہین، اور اعلاے دین سے غافل!

افسوس کز قبیلۂ مجنون کسے نماند

اس لحاظ سے اسلامی ملکون مین بحمد اللہ کہ ہندوستان کی حالت اب بھی غنیمت ہے کہ دینی تغافل اور سیاسی انہماک کے باوجود یہان علما، تعلیم یافتہ اور عوام کی ایک جماعت گو وہ تھوڑی ہی ہو ایسی موجود ہے جو دین کی خدمت اور اعلا کے لئے سرگرمی کے ساتھ مصروف عمل اور عوام کو دین سے مربوط اور تعلیم یافتون کو مذہب سے آشنا کرنے کے لئے اخلاص کے ساتھ کام کر رہی ہے، جماعت اسلامی کی تحریک، بستی نظام الدین دہلی کی تبلیغ اور دعوۃ الحق کی تاثیر عوام اور تعلیم یافتہ طبقون مین پھیل رہی ہے، ممکن ہو کسی کو ان مین سے کسی کے طریق کار سے مخلصانہ اختلاف ہو، تاہم جس حد تک مشترک مقصد کا تعلق ہے، ان کے نیک مساعی کا اعتراف اور ان کی کامیابی کی دعا کرنی چاہئے، اور اختلاف کو مخالفت کا رنگ نہین دینا چاہئے، کیونکہ اصل مقصود دین کی خدمت ہے، اشخاص کی بحث نہین،

من و تو گر ہلاک شویم چہ باک — غرض اندر میان سلامت اوست

دعوۃ الحق کی حیثیت مجلسی نہین ہے، اس کے کام کرنے والے افراد ہین، یہ ایک دعوت کا خاکہ ہے جس کو حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک زمانہ مین کھینچ کر تیار کیا تھا، اور جس کے مطابق ان کے زمانہ مین کہین کہین کام شروع ہوا تھا، اور اب ایک دو سال سے اس کے مطابق بمبئی اور دہلی اور بعض اور مقامات مین کچھ لوگ کام کر رہے ہین، بمبئی اور دہلی دونون جگہ اس کے ماتحت مسجدون مین درس قرآن ہوتا ہے، اور عوام اور تعلیم یافتہ لوگون تک پہنچ کر دین کے پیام سے اُن کو آشنا کیا جاتا، اور اُن کے شکوک و شبہات کے گرد و غبار کو دور کرکے دین کے صافی چشمہ تک اون کی رہنمائی کی جاتی ہے،

گذشتہ سال بمبئی کو دیکھا تھا، امسال ابھی دسمبر مین دہلی کی مسجد خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ مین جو کام ہو رہا ہے اس کو بھی دیکھا، مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی اس کے روح رواں ہین، یہ مسجد نئی دلی مین گورنمنٹ آف انڈیا

کے ملازمین کے کوارٹرون کے پاس واقع ہے، ماشاء اللہ اس ویرانہ مین پانچون وقت نماز باجماعت ہوتی ہے، صبح کی نماز مین تین تین صفین دیکھین، نماز کے بعد قرآن پاک کا درس اور ضروریاتِ دین کا بیان ہوتا ہے، تعلیم یافتہ اصحاب شوق سے شریک ہوکر اس سے مستفید ہوتے ہین، اسمبلی ہال کے پاس وسیع و عالی شان جامع مسجد بن کر تیار ہوئی ہے، جس مین پنجگانہ کے علاوہ جمعہ کے روز مولانا موصوف نماز پڑھاتے، خطبہ دیتے اور دینی مسائل سے حاضرین کو واقف کرتے ہین، نمازیون کی کثرت اتنی ہوتی ہے کہ دو منزلہ مسجد بھر کر بیرونِ مسجد بھی صفین قائم ہوتی ہین بارک اللہ فیھم و کثرھم،

دسمبر کی آخری تاریخون مین مسلم تعلیمی کانفرنس کا اجلاس آگرہ مین ہوا، اجلاس کے صدر منتخب نواب زادہ لیاقت علی خان کا صدارتی خطبہ اس بدلی ہوئی ذہنیت کا پتہ دیتا ہے جو تعلیم یافتہ نوجوانون مین پیدا ہو رہی ہے، یورپ کی اندھا دھند تقلید اور محض نقالی کے بجائے یہ بات اب اُن کے سمجھ مین آنے لگی ہے کہ مسلمان ایک مستقل ملت ہین جس کا نظام تعلیم جب تک اسلامی اساس پر نہ ہوگا، احیاے ملت کا خواب ہمیشہ شرمندۂ تعبیر رہے گا، ضرورت ہے کہ اس خاکہ کو جو ان کی تقریر مین ابھی تک مانند ہے اجاگر کیا جائے، اور ملکی خود مختاری کے ساتھ بلکہ پہلے تعلیمی خود مختاری کی اہمیت کو سمجھا جائے، جس سے ملی خود مختاری کی حقیقت مجسم ہوکر سامنے آئے گی،

اواخر دسمبر مین مختلف الاقوام عورتون کی ایک اہم کانفرنس سندھ مین ہوئی، مسز نہتہ صدر اور دوسری خواتین کی تقریرین اور تجویزین اخبارون مین آرہی ہین، جن مین عورت کی خود مختاری، عورت کے حقوق اور فرائض کے مطالبے پیش کئے گئے ہین، ان مین سے غیر معتدل باتون کو اگر الگ کر دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آج جو چادر یہ عورتین مانگ رہی ہین، وہ اسلام نے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ہی ان کو عطا کر دیا تھا، ضرورت ہے کہ مسلمان عورتین اُن کی نقالی کے بجائے خود شریعت اسلامیہ مین اپنے حقوق و فرائض کا جائزہ لین اور ان کو وہ اپنے اوپر اور مرد اپنے اوپر عائد کرین، اور اُن پر قائم رہین،

مقالات

مسئلہ سود مسلم و حربی مین

(۳)

ازجناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ

اصولی طور پر اس مسئلہ کے متعلق فقہی نقطۂ نظر سے جو بحث ہو سکتی تھی، مین اپنے گذشتہ بیانات ہی مین اس سے فارغ ہو چکا ہون، اس وقت پھر اس کے چھیڑنے سے یہ غرض ہے کہ اصل مضمون مین تو نہین، لیکن ایک جگہ حاشیہ مین مولانا نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت کا تذکرہ فرماتے ہوئے بعض شافعی المسلک شارحینِ حدیث کے اقوال سے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت مین (یعنی تاملہ و مخالطہ بھی ان اموال کی حلت کے لئے ضروری ہے) استفادہ فرمانا چاہا ہے، دراصل اسی کے متعلق مین کچھ عرض کرنا چاہتا ہون،

ظاہر ہے کہ کسی فقہی مسئلہ کی تنقیح و تحقیق کے لئے شارحینِ حدیث خصوصاً جب وہ حنفی بھی نہ ہون، ان کے اقوال ہم جیسے حنفیون پر کیا حجت ہو سکتے ہین، البتہ حدیث یقیناً قابلِ توجہ ہے، خصوصاً جب امام بخاری نے بھی اپنی کتاب مین اس کو جگہ دی ہے، واقعہ یہ ہے کہ الحربی والمسلم کے درمیان مالی معاملات کے سلسلہ مین امام محمد نے بھی اس حدیث کا تذکرہ اپنی کتاب "سیر کبیر" مین بھی فرمایا ہے، مین چاہتا ہون کہ حدیث اور امام محمد نے اس موقع پر اس حدیث سے جو نتیجہ پیدا کیا ہے، پہلے اس کا ذکر کرون، اس کے بعد مولانا نے

جو کچھ فرمایا ہے اس کی طرف توجہ کرون گا،

حدیث کا حاصل تو یہ ہے، کہ مشرف باسلام ہونے سے پہلے حضرت مغیرہؓ فرماتے ہین، کہ مین نے بعض جاہلی کفار کی صحبت و رفاقت اختیار کی، ایک دن غافل پاکر مین نے ان کو قتل کردیا اور جو کچھ ان کے پاس تھا اس پر قبضہ کرلیا، اس کے بعد وہی کہتے ہین کہ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوا، اور دو باتین آپ کی خدمت مین پیش کین یعنی چاہتا ہون کہ مین مسلمان ہوجاؤن، اور یہ مال جو ان لوگون کا میرے ہاتھ لگا ہے، اس سے خمس (یا پانچوان حصہ) قبول فرمایا جائے، اسی کے جواب مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اما الاسلام فاقبل واما المال فلست منہ فی شیئ،

اسلام کو تمھارے تو مین قبول کرتا ہون، لیکن مال سو اس سے مجھے کوئی تعلق نہین ہے،

یہ تو ہوا حدیث کے مضمون کا خلاصہ، امام محمد نے جس مسئلہ کے سلسلہ مین اس حدیث کا ذکر کیا ہے، وہ یہ ہے کہ انھون نے ایک سوال اٹھایا ہے، کہ ایک مسلمان مستامن بن کر یعنی امن و امان کے ساتھ آئینی زندگی بسر کرنے کا معاہدہ کرکے کسی غیر اسلامی حکومت کے قلمرو مین داخل ہوتا ہے، اور اس ملک کے کسی غیر مسلم باشندے کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لے کر اسلامی علاقہ مین چلا آتا ہے، اب وہی شخص جس کا مال لے کر یہ مسلمان اسلامی حکومت کے حدود مین چلا آیا ہے، مسلمان ہوکر یا ذمی یا مستامن بن کر اسی اسلامی علاقہ مین آتا ہے، اور اس مسلمان پر اسلامی عدالت مین دعویٰ دائر کرتا ہے، اور اس کا دعویٰ ثابت بھی ہوجاتا ہے، سوال یہ ہے کہ ایسی صورت مین اسلامی عدالت کیا فیصلہ کرے گی، امام محمد نے اسی کا جواب یہ دیا ہے:-

امر بردہ ولا یجبر علیہ فی الحکم،

مال کو واپس کردینے کا عدالت اسلامی حکم دے گی لیکن واپس کرنے پر اس مسلمان

پہلی بات یعنی مال کے واپس کردینے کا حکم اس مسلمان کو قاضی کیون دے گا، اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے:-

کان علی ذلک الرجل ان لا یغدر بھم حین دخل الیھم بامان

جب امن و امان کے ساتھ رہنے کا معاہدہ کرکے اس ملک مین یہ مسلمان داخل ہوا تھا تو اس پر واجب تھا کہ ان کے ساتھ عہد شکنی نہ کرے

لیکن دوسری بات یعنی مال کے واپس کرنے پر اس مسلمان کو مجبور کرنے کا حق قاضی کیون نہین رکھتا اس کی یہ توجیہ کرتے ہوئے کہ

انہ اخفر ذمتہ نفسہ لا ذمتہ الامام والمسلمین

اس نے اپنی شخصی ذمہ داری کی خلاف ورزی کی ہے، مسلمانون کے امام، اور حکومت اور خود مسلمانون کی کسی ذمہ داری کو اس نے

کہا گیا ہے کہ

لانہ حین اخذ المال لم یکن لصاحب المتاع امان من المسلمین فی نفسہ ولا فی مالہ،

کیونکہ مسلمانون نے جس وقت مال لیا تھا اس وقت مال والے آدمی نے نہ مسلمانون کی امان مین اپنے مال کو داخل کیا تھا، اور نہ اپنی جان کو،

اور اب اسی موقع پر امام محمد نے حضرت مغیرہؓ والی اسی روایت کو پیش کرکے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے،

ابی ان یقبل ذلک ولم یجبرہ علی رد ذلک علی ورثتھم، (صفحہ ٩٥)

مال کے قبول کرنے سے تو انکار فرمایا، لیکن اسی کے ساتھ حضرت مغیرہؓ کو اس پر بھی مجبور نہین کیا کہ جس مال کو وہ لائے ہین،

اسے ان لوگون کے ورثہ کو واپس کردین
جن کے مورثون کو قتل کرکے انھون نے
مال پر قبضہ کیا تھا،

مجھے اس وقت اس مسئلہ سے بحث نہین ہے، بلکہ دکھانا صرف اس قدر ہے کہ حضرت مغیرہؓ والی روایت کو اس موقع پر پیش کرنے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، کہ حضرت مغیرہؓ کے فعل کو امام محمد بھی خلاف معاہدہ قرار دیتے ہین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیش کردہ مال سے خمس لینے کا جو انکار کیا، تو اس کی وجہ امام محمد کے نزدیک بھی یہی ہے، کہ انھون نے خلاف عہد اس کام کو کیا تھا، جس کے معنی یہی ہوئے کہ حنفیہ بھی حضرت مغیرہؓ کے فعل کو خلاف عہد سمجھتے ہین، پھر میری سمجھ مین نہین آرہا ہے، کہ اسی حدیث کو آپ لاربوا بین المسلم والحربی والے مسئلہ پر کیسے منطبق کررہے ہین، لاربوا والے فتوی کی بنیاد تو جیسا کہ تفصیلاً عرض کرتا چلا آرہا ہون، اس پر قائم ہے کہ لینے والا مال والے کی رضامندی کر بغیر کسی خیانت وغدر کے مال پر قبضہ کرتا ہے، مسئلہ کا سارا دارومدار محض اسی واقعہ پر ہے،

اور حضرت مغیرہؓ والی روایت مین جیسا کہ سب مان رہے ہین، خود حنفیہ بھی مان رہے ہین، کہ اس مین خلاف معاہدہ رضامندی کے بغیر غدراً مال پر قبضہ کیا گیا تھا، تو اب آپ ہی بتائیے کہ اس حدیث سے اصل مسئلہ کو کیا تعلق جس مین مال والے کی رضامندی سے غیر معصوم مال پر مسلمان قبضہ حاصل کرتا ہے، اس مال کو جس پر غدراً معاہدے کے خلاف قبضہ کیا گیا تھا، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے اس کے لینے سے انکار فرمایا تھا، تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے، کہ رضامندی کے بغیر غدر وخیانت سے بھی کوئی غیر معصوم مال کسی مسلمان کے اگر ہاتھ آجاتا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بھی واپس کر دیتے، آخر دونون مین کوئی تعلق بھی تو ہو،

البتہ مغیرہ والی اسی حدیث سے امام محمد نے جس نتیجہ کو پیدا کیا ہے، یعنی اسلامی عدالت مال کے

واپس دینے کا حکم تو دے گی، لیکن واپس کرنے پر مجبور نہین کرے گی، اور اس کی تائید واقعہ کے اس جزء سے کرنا چاہتے ہین، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لم یجبرہ علی رد ذلک علی ورثتھم،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت مغیرہؓ کو مجبور نہین فرمایا، کہ (مقتولون) کے وارثون پر مال کو واپس کرین،

اور اسی کو پیش نظر رکھ کر اس کی قانونی وجہ جو یہ بتائی گئی ہے، کہ حضرت مغیرہؓ نے یہ مال جن لوگون کا جس زمانہ مین لیا تھا، اس وقت تک مسلمان اور مسلمانون کی حکومت کی ذمہ داری مین نہ وہ خود تھے، اور نہ ان لوگون کا مال تھا، اور اسی لئے اسلامی عدالت اس مال کے واپس دلانے کی ذمہ دار نہین بن سکتی تھی، جس کی حفاظت کی ضمانت اس نے نہین لی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گو خود اس مال کے قبول کرنے سے انکار فرمایا، لیکن حضرت مغیرہؓ کو اس پر بھی مجبور نہین کیا کہ مقتولون کے وارثون کو تلاش کرکے اس مال کو ان تک پہنچا دو، تو اس کی وجہ یہ تھی، کہ اسلامی حکومت اس وقت ان مقتولین کے مال کی ذمہ دار نہ تھی، اب اسی قانونی نکتہ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سامنے رکھا، اور لاربوا بین المسلم والحربی والے مسئلہ کے ایک خاص پہلو کے متعلق انھون نے ایک جواب پیدا کیا ہے، چونکہ بعض حلقون مین اس کے متعلق بھی غلط فہمی پائی جاتی ہے، اس لئے مناسب ہے کہ اس کا یہان ذکر کر دیا جائے، مطلب یہ ہے کہ حربی ومسلم کے درمیان ربوا ربوا باقی نہین رہتا، جیسے حنفی فقہ کا یہ مسئلہ ہے، اسی طرح یہ مسئلہ بھی مسلم ہے کہ دار الحرب مین ہون یا دار الاسلام مین، کہین بھی دو مسلمان ہون، ان مین ربوا بہرحال ربوا ہی رہے گا، متفقہ فتوی ہی سیر کبیر مین امام محمد نے یہ نقل کیا ہے،

لو کانت ھذہ المعاملۃ بین مسلمین فی دار الحرب مستامنین

دار الحرب مین دو مسلمان باہم اس ربوا کے معاملہ کو اگر کرین تو وہ بہرحال مردود

او اسیرین کان باطلاً مردوداً

او باطل معاملہ ہوگا، خواہ دار الحرب مین ان دونون مسلمانون کی حیثیت ان لوگون کی ہو، جو امن وامان کا معاہدہ کرکے غیر اسلامی ملک مین داخل ہوتے ہین، یا قیدیون کی حیثیت ہو،

(جلد ۳ صفحہ ۲۲۶)

اور وجہ وہی لکھی ہے، کہ مسلمان کا مال مسلمان کے لئے معصوم ہے، خواہ وہ کہین بھی ہو،

فیھما ملتزمان احکام الاسلام	اسلامی احکام کی تعمیل کے وہ ذمہ دار ہین
فی کل مکان (۔۔)	جہان کہین بھی وہ ہون،

لیکن ایسے دو مسلمان جو دار الحرب ہی مین مشرف باسلام ہوئے، اور وہان سے نکل کر کسی اسلامی سلطنت مین نہین آئے ہین یعنی ان کی حالت ان ہی مسلمانون کی ہو جن کے متعلق قرآن مین فرمایا ہے،

الذین آمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیئ حتی یھاجروا (الانفال)

جو لوگ ایمان لائے لیکن ابھی انھون نے ہجرت نہین کی ہے، ان کی ولایت کسی حیثیت سے بھی مسلمانون کے ذمہ عائد نہین ہوتی، تا اینکہ وہ ہجرت کرکے اسلامی علاقہ مین آجائین)

اگرچہ مسلمانون کی ولایت (یعنی ان کی حفاظت ونگرانی مین وہ داخل نہین ہوئے ہین) لیکن مسلمان چونکہ ہوچکے ہین، اور اسلام بذاتِ خود اموال ونفوس کو معصوم بنا دیتا ہے، اس لئے کسی مسلمان کے لئے جائز نہ ہوگا، کہ ان کے مال کو غیر معصوم یا مباح سمجھے، اسی وجہ سے ربوا کے باب مین بھی ان کے متعلق حکم یہی ہے کہ

فان جری بین الذین اسلما فی دار الحرب نکذلک الجواب

اور دو آدمی جو دار الحرب ہی مین مسلمان ہوئے ہون ان مین بھی اگر سود کا معاملہ جاری ہو، تو اس کا بھی یہی جواب ہے یعنی یہ معاملہ مردود اور باطل قرار دیا جائیگا،

یعنی ربوا کا معاملہ کرکے ان دونون مین سے جو سود کھائے گا، وہ سود خوار ہوگا، اور ان ہی سزاؤن کا مستحق ہوگا جن کا مستحق قرآن نے سود خوارون کو قرار دیا ہے،

لیکن فرض کیجئے کہ دار الحرب کے ان دونون نومسلمون نے باہم ربوا کا معاملہ دار الحرب ہی مین کیا، اور اس ذریعہ سے ایک نے دوسرے سے سود کی رقم وصول بھی کی، اور یہ سب کچھ کرکے دونون دار الاسلام چلے آئین، اس کے بعد سود دینے والا اگر اسلامی عدالت مین سود لینے والے پر یہ دعویٰ دائر کر دے کہ اس نے مسلمان ہونے کے بعد دار الحرب مین مجھ سے سود کی رقم وصول کی ہے، تو سوال یہ ہے کہ عدالت اس وقت کیا فیصلہ کرے گی،

عام قاعدہ تو یہی ہے کہ اسلامی قلمرو یعنی دار الاسلام مین رہنے والے مسلمان اسلامی حکومت کے حدود مین سود کا معاملہ اگر کرین گے، تو عدالت ان کے اس معاملہ کو باطل قرار دے گی، اور ربوا کے ذریعہ سے جو رقم وصول کیجائے گی، اسے واپس کرا دے گی، نہ صرف مسلمانون ہی کے درمیان بلکہ ربوا کا معاملہ کرنے والے اگر اسلامی حکومت کے ذمی رعایا بھی ہون گے، تو ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے گا، سیر کبیر مین ہے :-

القاضی یبطل عقود	ربوا یعنی سود کے معاملات (اسلامی
الربا ء التی تجری بین	حکومت کی غیر مسلم رعایا یعنی) باہم
اھل الذمۃ اذا اختصموا	ذمیون کے درمیان اگر کئے گئے ہون

الیہ فیھا	تو قاضی ان کو بھی باطل قرار دے گا
	اگر ان معاملات میں ذمی لوگ اسلامی
	عدالت کی طرف رجوع کریں،

حتی کہ ایسے دو آدمی جو نہ مسلمان ہی ہیں، اور نہ اسلامی حکومت کے رعایا ہیں، لیکن فقط امن و امان کا معاہدہ کرکے اسلامی حدود میں مقیم ہیں یعنی مستامن ہیں، اگر یہ دونوں بھی ہماری قلمرو میں سود کا کاروبار کریں گے تو پیش ہونے پر عدالت ان کے اس معاملہ کو بھی باطل قرار دے گی، اسی کتاب میں ہے،

لو ان مستامنین من اھل الحرب	اگر غیر اسلامی قلمرو کے دو باشندے جو
فی دارنا باشر واھذہ المعاملۃ	امن کا معاہدہ حاصل کرکے اسلامی علاقہ
ثم اختصما الی القاضی فانہ	میں داخل ہوں، اور باہم سود کا معاملہ
یبطل ذلک،	کریں، اور قاضی (اسلام) کی طرف اپنے
	اس معاملہ کو رجوع کریں، تو قاضی ان کے
	بھی اس معاملہ کو باطل قرار دے گا،

وجہ اس کی وہی ہے کہ

لان ذلک مال متقوم فی حقھم	کیونکہ جس مال پر یہ معاملہ سود کا کیا جائیگا
والمستامنون واھل الذمۃ	ان دونوں کے حق کے لحاظ سے یہ متقوم
فی ذلک سواء،	مال ہے، اور مستامن ہوں یا ذمی اس
(جلد ۳ صفحہ ۲۲۶)	باب میں دونوں برابر ہیں،

لیکن ظاہر ہے کہ مسئلہ کی جو صورت اس وقت ہے، یعنی جس مال کو ربوا کے ذریعہ سے جس وقت جس مقام پر لیا گیا ہے اس وقت مسلمانوں کی حکومت اور خود مسلمانوں کی ولایت اس مال کو حاصل نہیں

ہوئی تھی، اور ایسی صورت میں سود ہی کیا بلکہ لکھا ہے کہ

لو اتلف مالہ انسان فی دار الحرب	اگر اس قسم کے مسلمان کا مال کوئی ضائع
لم یضمن بشیئ،	بھی کردے، تو اس کا تاوان کچھ بھی اس
	کو نہ دلایا جائے گا،

اسی کے بعد یہ الفاظ ہیں :۔

کذلک المعاملۃ بالربوا و	اور یہی حال ربوا کے معاملہ کا بھی ہے،
غیرہ یتبین ھذا الحکم،	یا اس کے سوا دوسرے معاملہ (عقود فاسدہ)
(جلد ۳ صفحہ ۱۴۳)	میں یہ حکم ظاہر ہوگا،

جس کا مطلب یہی ہوا کہ سود دینے والے کو قاضی سود کی اس رقم کے واپس کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا، جو دار الحرب میں اس مسلمان نے وصول کی تھی، اور یہ بجنسہ وہی بات ہے، جو حضرت مغیرہؓ والی روایت سے ثابت ہوتی ہے، یعنی خود تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کے لینے سے انکار کیا، کیونکہ غدر اور عہد شکنی کرکے یہ مال وصول کیا گیا تھا، لیکن باوجود اس کے حضرت مغیرہؓ کو آپ نے مجبور نہیں کیا کہ مال ان کے وارثوں کو واپس کردیں، تو جیسا کہ حضرت مغیرہؓ والی روایت کے ذیل میں جس مسئلہ کا امام محمدؒ نے ذکر کیا تھا، سرخسی نے اس موقع پر لکھا تھا، کہ

لانہ حین اخذ المال لم	کیونکہ جس وقت لینے والے نے مال کو لیا تھا
یکن لصاحبہ المتاع امان	اس وقت اس مال والے کو مسلمانوں کی
المسلمین فی نفسہ ولا فی	امان نہ اپنی جان ہی کے متعلق میسر ہوئی تھی
مالہ وانما کان علی ذلک	اور نہ مال ہی کے متعلق البتہ خود اس شخص پر
الرجل ان لا یغدر بھم حین	واجب تھا، کہ وہ اس غیر اسلامی علاقہ کے

دخل اليهم بامان ذلك غير
داخل تحت حكم الامام فلا
يجبره على الرد بذلك القدر
من السبب،

باشندون) کے ساتھ غدر اور عہد شکنی
نہ کرے، جب کہ وہ ان کے علاقے مین
امان کا معاہدہ حاصل کرکے داخل ہوا
تھا، اور اس قسم کا آدمی ابھی امام یعنی
مسلمانون کی حکومت کی نگرانی کے نیچے
داخل نہین ہوا تھا، پس اسلامی عدالت
اس کو مال کے واپس کرنے پر محض اس
وجہ سے مجبور نہ کرے گی،

پھر ایک نظیر کو پیش کرکے مسئلہ کو سمجھاتے ہین،

الا ترى انه لو فقأ عين
رجل منهم او قتل رجلا منهم
او استهلك مالا ثم خرج
هاربا الى دار الاسلام
فجاء صاحب الحق وخاصمه
في ذلك لم يقض القاضي له
بشيء فكذلك اذا اخرج
مالا لهم،

(جلد ۳ صفحہ ۹۵)

کیا تم نہین دیکھتے کہ اس قسم کے آدمی کی
آنکھ اگر کوئی نکال لے، یا ان مین سے کسی
کو کوئی قتل کردے، یا ان کے مال کو ضائع
کردے، اس کے بعد بھاگ کر وہ اسلامی
علاقہ مین چلا آئے (یعنی آنکھ نکالنے والا
یا قاتل یا مال کا ضائع کرنے والا اسلامی
علاقہ مین چلا آئے) اور اس کے بعد وہ بھی
جس کا حق اس نے ضائع کیا ہے، وہ بھی
اسلامی علاقے مین پہنچکر اسلامی عدالت
مین اس پر دعوی دائر کردے تو قاضی

ان تمام صورتون مین دعوی کرنے والے
منشاء کے مطابق کچھ بھی فیصلہ نہین کریگا،
پس یہی حکم اس مال کا بھی ہوگا، جسے
لے کر وہ اسلامی علاقہ مین چلا آیا ہے،

بہرحال اس قسم کے مسلمانوں کے متعلق اسی بنیاد پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اصول مقرر کیا ہے کہ

ان الاسلام يوجب العصمة
في نفسه وماله في الآثام
دون الاحكام،

مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کی جان
اور اس کا مال معصوم تو ہوجاتا ہے لیکن
صرف گناہ ہونے کی حد تک نہ کہ احکام
کے لحاظ سے بھی معصوم ہوگا،

یعنی مسلمان ہونے کے ساتھ ہی دینی عصمت تو اس شخص کے جان و مال کو اسی وقت حاصل ہوجاتی ہے جس وقت وہ دائرۂ اسلام مین داخل ہوتا ہے، اب اس کی جان و مال مین بے جا دست اندازی جائز نہ ہوگی، یعنی دارالاسلام کے مسلمان کی جان و مال مین بے جا دست اندازی جس قسم کا جرم اور گناہ ہے، جرم اور گناہ ہونے کے لحاظ سے یہی حکم اس شخص کے مال اور جان مین بیجا دست اندازی کا ہوگا، جو دارالحرب مین مسلمان ہوکر ابھی وہین مقیم ہے، اور اسلامی حکومت کی ولایت مین نہین آیا ہے، اصطلاحاً اسی کی تعبیر ان الفاظ مین کی جاتی ہے، کہ دینی عصمت اس کو حاصل ہوگئی،

لیکن یہ بات کہ اسلامی حکومت اور اسلامی حکومت کی عدالت اس کے مال کی ضامن ہوجائے یعنی بے جا طور پر اگر کوئی اس کے مال پر قبضہ کرلے تو اسلامی عدالت اس مال کے واپس دلانے کی ذمہ دار ہو، امام ابوحنیفہ کہتے ہین کہ عصمت کی یہ کیفیت اس وقت حاصل ہوگی، جب دارالاسلام مین پہونچکر اسلامی حکومت کی ولایت مین وہ آجائے، ان کا فتوی ہے کہ

عصمة المال بنفس الاسلام
تثبت في حق الآثام فاما في
الاحكام فيعتبر الاحراز بالدار
ولم يوجد،

(جلد ۳ صفحہ [illegible])

گناہ گار بنا دینے کی حد تک تو صرف مسلمان
ہونے کی وجہ ہی سے اس کا مال معصوم
ہو جاتا ہے، لیکن احکام کے لحاظ سے
بھی اس کا مال معصوم ہو جائے یہ بات
اس وقت تک حاصل نہین ہو سکتی،
جب تک کہ اسلامی علاقہ مین سمیٹ کر
اپنے مال کو وہ نہ لائے، اور ظاہر ہے کہ
(مذکورۂ بالا صورت مین) یہ بات ابھی
اس کے مال کو حاصل نہین ہوئی ہے،

فقہ حنفی مین اموال کے متعلق عصمتِ مقومہ اور عصمت موثمہ، عصمت کی جو یہ دو قسمین پائی جاتی ہین، ان کا یہی مطلب ہے، یعنی اسلام لانے کے ساتھ ہی ایسی عصمت ثابت ہو جاتی ہے کہ جس کے بعد دست اندازی گناہ ہو جاتی ہے، یہی عصمت موثمہ ہے، لیکن حکومت کی ضمانت مال کو جس عصمت کی وجہ سے حاصل ہوتی اس کے لئے ضروری ہے کہ دار الاسلام مین پہنچکر اسلامی حکومت کی ولایت مین وہ آجائے، اور یہ عصمت دار کی وجہ سے جو حاصل ہوتی ہے، اسی کا نام عصمتِ مقومہ ہے، خلاصہ یہ ہے کہ کسی قسم کا مسلمان ہو اس سے سود کا معاملہ کرنا اور اس ذریعہ سے سود وصول کرنا قطعاً حرام ہے کہ اسلام لانے کے ساتھ دینی عصمت اس کے مال مین اسی وقت پیدا ہو جاتی ہے، لیکن عصمت کی دوسری قسم جو دار الاسلام مین آنے اور اسلامی حکومت کی ولایت حاصل کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے، چونکہ دار الحرب مین یہ عصمت اس کے مال مین نہین پیدا ہوتی، اس لئے واپس دلانے کی ذمہ دار اسلامی عدالت نہین ہو سکتی، یہی مسئلہ ہے جسے حنفی فقہ کی کتابون مین مختلف الفاظ سے ادا کیا گیا ہے، بعض مصنفین کی تعبیرون سے لوگون کو مغالطہ ہو گیا، کہ جیسے حربی و مسلم مین ربوا کا

معاملہ ابو حنیفہ کے نزدیک ربوا نہین رہتا، اسی طرح دار الحرب کے مسلمانون مین بھی امام ابو حنیفہ (العیاذ باللہ) ربا کے جواز کے قائل ہین لیکن مسئلہ کی اصل حقیقت وہی ہے، جو مین نے بیان کی، آخر اس کے بھی کوئی معنی ہون گے، الحربی کے ساتھ جو کہا جاتا ہے کہ ربوا ربوا باقی نہین رہتا، تو ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد مال کے غیر معصوم و مباح ہونے پر قائم ہے، لیکن مسلمان کا مال تو کسی حالت مین بھی غیر معصوم نہین ہوتا، یعنی دینی عصمت تو بہرحال اس مین باقی ہی رہتی ہے، البتہ عصمت مقومہ یعنی دار الاسلام کی ولایت کی وجہ سے جو عصمت مال مین پیدا ہوتی ہے، وہ بلا شبہ دار الحرب مین اسلام لانے والے مسلمان کے مال مین پیدا نہین ہوتی، اور اس کا اثر جو کچھ بھی مرتب ہوتا ہے، اس کا تعلق عدالتی احکام سے ہے، نہ کہ حرام اور گناہ ہونے مین کوئی کمی اس عصمت کے نقدان کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے، حنفی فقہا دار الحرب کے مسلمانون کے اموال کو غیر معصوم اگر کبھی کہہ دیتے ہین، تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ عصمت مقومہ اس کو حاصل نہین ہے، ورنہ عصمت موثمہ کا کون انکار کر سکتا ہے، اور جب تک یہ عصمت مال مین باقی ہے، ربوا بہرحال ربوا باقی رہے گا، مذکورۂ بالا تفصیلات سے اسی مسئلہ کے ایک اور پہلو کا مطلب واضح ہوتا ہے،

مطلب یہ ہے کہ لا ربوا بین الحربی والمسلم کے مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے ہمارے فقہا عموماً جو دار الحرب کی قید کا اضافہ جو کرتے ہین، اس سے عموماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ ربوا کے متعلق ایسی صورت مین ابو حنیفہ جو یہ کہتے ہین، کہ وہ ربوا باقی نہین رہتا، اس کے لئے ضروری ہے، کہ معاملہ دار الحرب مین کیا جائے، یعنی سمجھا جاتا ہے کہ دار الاسلام مین الحربی ہی سے کوئی مسلمان یہ معاملہ کیون نہ کرے، وہ ربوا اور سود ہی باقی رہتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ کو اٹھانے والون نے ہندوستان کی موجودہ حالت مین جب کبھی اٹھایا ہے تو اسی کے ساتھ ساتھ یہ سوال بھی فوراً پیدا کر دیا جاتا ہے، کہ پہلے یہ طے کر لیا جائے کہ ہندوستان دار الحرب ہے بھی یا نہین، اگرچہ مولانا ظفر احمد صاحب نے خلاف دستور اپنے اس مضمون مین ہندوستان کے دار الحرب ہونے یا نہ ہونے کے مسئلہ کو نہین اٹھایا ہے، لیکن بہرحال اس مسئلہ کا ضروری جزء بحث کا یہ حصہ بھی ہے،

اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مسئلہ کی جو اصل حقیقت ہے، اسے بیان کر دوں،

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے جب دار الحرب کی قید ہمارے فقہاء بڑھاتے ہیں تو بظاہر اس کا اقتضاء یہی ہے کہ دار الاسلام میں ربوا ربوا ہی باقی رہتا ہے، خواہ الحربی ہی کے ساتھ یہ معاملہ کیوں نہ کیا جائے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسئلہ کی بنیاد جب اموال کے غیر معصوم ہونے پر قائم ہے تو پھر اس میں "دار الحرب" یا "دار الاسلام" کی قید کے کچھ معنی سمجھ میں نہیں آتے، غیر معصوم مال پر مال والے کی رضامندی سے غدر اور عہد شکنی کے بغیر جہاں کہیں مسلمان کو قبضہ حاصل ہو جائے، اس مال کے مالک ہونے سے اب کوئی چیز اس کو روک نہیں سکتی، خواہ واقعہ دار الحرب میں پیش آئے، یا دار الاسلام میں، مگر فقہاء آخر دار الحرب کی قید کیوں لگاتے، یہی سوچنے کی بات ہے،

قصہ یہ ہے کہ قرآن نے ربوا کی ممانعت کرتے ہوئے منجملہ اور دھمکیوں کے جو یہ دھمکی دی ہے کہ

فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا الحرب مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِه (البقرہ ع)

اگر ایسا تم نہیں کرتے، (یعنی ربوا کے کاروبار کو ترک نہیں کرتے) تو پھر اعلان جنگ دے دو اللہ اور اس کے رسول کو،

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ ربوا کو اسلام نے ان جرائم کی فہرست میں داخل کیا ہے، جن کا انسداد اسلامی حکومت کا فریضہ ہے، یعنی صرف وعظ و نصیحت ہی سے کام نہیں لیا جائے گا، بلکہ بزور شمشیر بھی اس کے انسداد کی کوشش اسلامی حکومت کو کرنا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم رعایا یعنی ذمیوں کو مذہبی آزادی کے ساتھ ساتھ اس کی بھی آزادی حالانکہ بخشتی ہے، کہ باہم مسلمانوں میں جو معاملات ناجائز ہیں، مثلاً شراب فروشی، خنزیر فروشی وغیرہ لیکن ذمیوں کے مذہب میں وہی معاملات اگر جائز ہوں تو اجازت دی گئی ہے، کہ باخود وہ ان معاملات کو وہ اسلامی حکومت میں بھی کر سکتے ہیں، اور ان کے اعتبار سے یہ افعال غیر آئینی نہیں قرار دیئے جاتے ہیں، لیکن اس قسم کے تمام معاملات میں سے صرف

الربوا یعنی سود کے معاملہ کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ غیر مسلم ذمیوں سے جب معاہدہ فرماتے، تو مذہبی امور اور معاملات کی آزادی کے ساتھ ساتھ اس کی تصریح بھی معاہدہ نامہ میں کر دی جاتی تھی، کہ سود کا کاروبار ہمارے علاقہ میں نہیں کریں گے، نجران کے عیسائیوں سے عہد ذمہ کا معاملہ جب طے ہوا، تو منجملہ اور باتوں کے عہد نامہ میں لکھا گیا تھا، جیسا کہ کتاب الاموال میں ابو عبید نے نقل کیا ہوا اسکے یہ الفاظ بھی تھے،

علی ان لا یاکلوا الربا فمن اکل الربا من ذی قبل فذمتی منه بریئة، (کتاب الاموال ص۱۸۱)

(عیسائی عہد ذمہ جن کا قبول کیا گیا ہو ان پر یہ حکم بھی عائد کیا جاتا ہے کہ) وہ سود نہ کھائیں گے، پس ان میں جو سود کھائے گا، تو میرا یہ عہد ذمہ ان سے الگ ہو جائے گا، یعنی باقی نہ رہے گا،

شمس الائمہ سرخسی نے لکھا ہے کہ علاوہ نجران والوں کے ہجر کے ذمی مجوسیوں کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھ کر بھیجا تھا،

ان تدعوا الربا او یاذنوا الحرب من الله ورسوله (جلد ۱۳ ص ۲۳)

یہ کہ وہ سودی کاروبار کو ترک کر دیں گے یا پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ پر تیار ہو جائیں،

اسی بنیاد پر ہمارے فقہاء نے طے کر دیا ہے کہ اسلامی قلمرو میں سودی کاروبار کی اجازت کسی کو نہیں دی جائے گی، حتی کہ ان غیر مسلموں کو بھی نہیں، جو امن کا معاہدہ کر کے ہمارے علاقہ میں تجارت وغیرہ کے لئے آئیں یعنی متامنوں کو بھی اس معاملہ سے بزور حکومت روکا جائے گا، گذر چکا کہ اسلامی عدالت بہر حال میں اس کو مسترد کر دے گی، خواہ معاملہ جن لوگوں میں بھی ہوا ہو،

سود کے ساتھ جب اسلامی آئین کا یہی نقطۂ نظر ہے تو اس کا مطلب یہی ہوا، کہ ہر وہ شخص جو اسلامی حکومت کے حدود مین مقیم ہے، اس کے متعلق اسلامی حکومت یہ طے کئے ہوئے ہے کہ ربوا کے اعتبار سے سب کا مال معصوم ہے، شمس الائمہ نے مبسوط مین لکھا ہے،

فان دخل تجار اهل الحرب دار الاسلام بامان فاشتری احدهم من صاحبه درهما بدرهمین لم اجز ذلك الا ما اجیزه بین اهل الاسلام وکذلك اهل الذمة اذا فعلوا ذلك لان مال کل واحد منهم معصوم متقوم لا یتملکه صاحبه الا بجهة العقد و حرمة الربوا ثابتة،

غیر اسلامی علاقہ کے باشندے تاجر بن کر ہمارے (اسلامی علاقہ میں) داخل امان کے معاہدہ کے ساتھ اگر ہون تو اگر ان مین سے کوئی اپنے ہی لوگون مین سے کسی سے یہ معاملہ کرے، یعنی ایک درم سے دو درم خریدے تو ہم اس کی اجازت نہین دین گے، پس انہی باتون کی اجازت ہم انھیں (اپنے علاقہ مین) دے سکتے ہین، جو معاملات خود باہم مسلمانون مین جائز ہین، اور یہی حکم اہل ذمہ کا بھی ہے (یعنی اسلامی حکومت کی ذمی غیر مسلم رعایا کا حکم بھی یہی ہے) اگر وہ اس قسم کا کاروبار کرین گے، اور یہ اس لئے کیا جارہا ہے کیونکہ ان مین ہر ایک کا مال معصوم بھی ہے اور متقوم بھی ہے (یعنی اسلامی حکومت اس کی قیمت دلانے کی ذمہ دار ہے) اور اس قسم کے مال کا مالک، دوسرا فریق اسی وقت ہو سکتا ہے جب معاملہ بھی باہم ہو اور سود کی

ہ کاروبار کی حرمت جب ان سب کے متعلق ثابت ہے، کیونکہ معاہدہ مین اس کاروبار کو مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے،

بہرحال جب دارالاسلام مین رہنے والے خواہ متوطن ہون یا مستامن جب سب کا مال معصوم اور متقوم ہوجاتا ہے، تو ربوا کے متعلق جو یہ صورت پیدا ہوتی تھی، یعنی الحربی کے ساتھ ربوا باقی نہین رہتا تھا، اب اس کی گنجائش دارالاسلام مین باقی ہی کیا رہی، اسی لئے کہا جاتا ہے، کہ لاربوا بین الحربی والمسلم کا حکم صرف دارالحرب ہی کی حد تک محدود ہے، یعنی مال کے غیر معصوم ہونے کی شکل دارالحرب ہی مین پیدا ہوسکتی ہے، اور مسئلہ کی بنیاد اس کے غیر معصوم ہونے پر قائم ہے،

لیکن فرض کیجئے، کہ اسلامی علاقہ کے کسی خاص حصہ مین کافرون کی فوج گھس آئی، اور ایسی صورت پیدا ہوگئی، کہ مسلمانون کی اسلامی حکومت اپنے احکام و فرامین کو اس علاقہ مین نافذ نہین کراسکتی، تو کیا اس وقت بھی اس علاقہ کے باشندون کے اموال کی عصمت باقی رہتی ہے، گذر چکا کہ مسلمانون کے اموال مین تو عصمت کی دوگونہ کیفیت دارالاسلام مین پیدا ہوجاتی ہے، یعنی دینی عصمت اور داروالی عصمت، لیکن غیر مسلمون کے اموال کو صرف دار کی عصمت حاصل ہوتی ہے، اب دارالاسلام کے جس علاقہ مین اسلامی حکومت اپنے احکام و فرامین کی تعمیل کرانے سے مجبور ہوجائے تو ظاہر ہے، کہ اس علاقہ کے مسلمان باشندون کے اموال کی دینی عصمت تو باقی رہے گی، لیکن داروالی عصمت جس کی بنیاد اسلامی حکومت کی ولایت پر قائم ہے، جب ولایت ہی باقی نہ رہی تو عصمت کے باقی رہنے کے کیا معنی ہوسکتے ہین، جس کا مطلب یہی ہوا کہ داروالی عصمت سے اس علاقہ کے باشندون کے اموال محروم ہوجاتے ہین، اور غیر مسلمون کے اموال کو چونکہ صرف یہی عصمت حاصل تھی، اس لئے اُن کے اموال ایسی صورت مین محض اس علاقہ کی حد تک غیر معصوم ہوجاتے ہین، اور یہی وجہ ہے کہ عام حالات مین تو لاربوا بین المسلم والحربی کے مسئلہ مین فی دارالحرب کی قید کتابون مین لگائی جاتی ہے، لیکن سیر کبیر مین امام محمد نے لکھا ہے کہ

لو دخل عسکر من المشرکین دار الاسلام ثم دخل الیهم

اگر مشرکون کی کوئی فوج اسلامی علاقہ مین داخل ہوجائے اور اس کے بعد کوئی مسلمان

مسلم بامان فعاملهم بهذه الصفقة كان هذا وما لو كان مستأمنا في دار الحرب سواء

امان کا معاہدہ حاصل کر کے مشرکون کی اس فوج مین داخل ہو کر ربوا کا معاملہ کرے، تو اس وقت اس کا حکم بھی وہی ہوگا، جو دار الحرب مین غیر مسلمون کے ساتھ ربوا کا حکم ہے،

شمس الائمہ اسی کی شرح و توجیہ کرتے ہوے لکھتے ہین :-

لان العسكر اذا كانوا اهل منعة فحكم الاسلام لا يجري في معسكرهم كما لا يجري في دار الحرب،

کیونکہ مشرکون کی فوج جب اس مقام مین قوت والی ہوگئی، تو اس علاقے کا حال وہی دار الحرب کا حال ہوگیا، یعنی اسلام کا حکم مشرکون کی اس چھاونی مین اسی طرح نہین چل سکتا، جیسے دار الحرب مین نہین چل سکتا،

اس کے بعد پھر زیادہ صراحت کرتے ہوے وہی ارقام فرماتے ہین :-

هذه الاجوبة على الحكم فيما اذا كان حكم الكفر في الموضع الذي جرت المعاملة فيه كان الحكم فيه على ما ذكروا اذا كان الحكم حكم المسلمين فلا يجوز من المعاملة في ذلك الموضع الا

یہ جواب (یعنی سودی کاروبار کے متعلق مشرکون کی چھاونی) مین جو حکم دیا گیا ہے، اس حکم کا تعلق اسی علاقے سے ہے جہان کفر کا حکم جاری ہو، لیکن جس علاقہ مین مسلمانون کا حکم جاری ہو، تو اس علاقہ مین صرف وہی معاملہ جائز ہوگا، جو دار الاسلام

ما يجوز في دار الاسلام،

مین جائز ہو سکتا ہے،

مسئلہ کو سمجھانے کے لئے اسی کی معکوس شکل کو پیش کر کے وہی لکھتے ہین :-

الا ترى ان عسكر المسلمين لو دخلوا دار الحرب ثم جرت هذه المعاملة في المعسكر كان حكمها وحكم ما جرت في دار الاسلام سواء صـ ۱۳۲ جلد ۱۴،

کیا تم نہین دیکھتے کہ مسلمانون کی فوج اگر دار الحرب کے کسی علاقہ مین داخل ہو جائے، اور مسلمانون کی اس چھاونی مین یہ معاملہ کیا جائے، تو پھر اس وقت اس کا حکم وہی ہوگا، جو دار الاسلام مین اس معاملہ

اسی کتاب مین دوسری جگہ امام محمد نے مذکورہ بالا مسئلہ کا اعادہ ان الفاظ مین کیا ہے :-

ولو ان عسكرا من اهل الحرب لهم منعة دخلوا دار الاسلام ثم استامن اليهم مسلم وعاملهم بهذه المعاملة التي لا تجوز فيما بين المسلمين فلا باس بذلك

اگر اہل حرب (یعنی کافرون) کی ایسی فوج جو قوت وطاقت رکھتی ہو، اسلامی علاقہ مین گھس آئے، پھر کوئی مسلمان ان کافرون سے امن کا معاہدہ کر کے ان کی چھاونی مین داخل ہو، اور ان کے ساتھ اسی معاملہ کو کرے، جو باہم مسلمانون مین جائز نہین ہے، (مثلاً ربوا کا معاملہ کرے،) تو اس مین کوئی مضائقہ نہین ہے،

شمس الائمہ اسی کے ذیل مین یہ اضافہ کرتے ہین :-

لان المعنى الذي لاجله جاز ذلك في دارهم موجودة في

کیونکہ جس وجہ سے یہ معاملہ کافرون کے علاقہ مین جائز قرار دیا گیا ہے، وہی وجہ تو

منعة في دار الاسلام وهو ان اموالهم مباح الاخذ للمسلم وعليه التحرز عن غدر الامان فهو بهذه المعاملة يكتسب سبب التحرز عن الغدر

اس علاقہ مین بھی اب پائی جاتی ہے جہان قوت کے ساتھ دار الاسلام کے کسی علاقہ مین وہ گھس پڑے ہین یعنی دار الحرب مین جیسے ان کے اموال پر قبضہ مسلمانون کے لئے جائز و مباح ہے، البتہ امن کے معاہدے کی خلاف ورزی نہ ہونی چاہیے، اور معاملہ کرنے کے لئے معنی ہی یہ ہین، کہ عہد شکنی سے وہ ان کے مال پر قبضہ کرنے مین بچا جا رہا ہے،

اور اس کے بعد آخر مین شمس الائمہ ہی اس پر تنبیہ کرتے ہین کہ

وبهذا القدر تبين ان الاصح ما ذهب اليه المشائخ ان موضع نزولهم لم يأخذ حكم دار الحرب ومع ذلك جاز للمسلم هذه المعاملة لبقاء الاباحة في مالهم،

(جلد ۳ صفحہ [illegible])

اور اس سے یہ امر واضح ہوگیا کہ صحیح تر بات وہی ہے جس کی طرف ہمارے مشائخ گئے ہین یعنی کافرون کی فوج جہان گھس کر اتر پڑی ہے، اگرچہ صرف اتنی سی بات سے وہ علاقہ دار الحرب نہین بن جاتا ہے لیکن اس کے باوجود مسلمانون کے لئے جائز ہے، کہ اس معاملہ کو وہ اس علاقہ مین بھی کر سکتے ہین، (یعنی سودی کاروبار کے ذریعہ غیر مسلم کے مال پر قبضہ) کیونکہ ان کے مال کا مباح ہونا جو مسئلہ کی بنیاد ہے، تو وہیان بھی پایا جا رہا ہے

گذشتہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا، کہ "فی دار الحرب" کی قید "لا ربوا بین المسلم والحربی" کے مسئلہ مین عموماً جو لگائی جاتی ہے، تو یہ عام حال کا بیان ہے (یعنی اموال کے غیر معصوم وغیر متقوم ہونے کی شکل عموماً دار الحرب ہی مین ممکن ہے، لیکن باوجود دار الاسلام ہونے کے اگر ایسی صورت پیش آجائے جس کی وجہ سے اسلامی علاقہ مین بھی الحربی کا مال غیر معصوم و مباح ہو جائے، تو اس وقت دار الاسلام کے اس علاقہ مین بھی ربوا کا جو معاملہ الحربی سے کیا جائے گا، اور اس ذریعہ سے جو مال مسلمانون کے قبضہ مین آئے گا، وہ ربوا نہ ہوگا، اور مسلمان اس کے جائز مالک قرار دیئے جائین گے،

مسئلہ کی جب اصلی صورت یہی ہے تو ظاہر ہے کہ دار الحرب کی قید کو پیش کر کے ہندوستان کے دار الحرب و دار الاسلام ہونے کی جو بحث اٹھائی جاتی ہے، وہ مسئلہ کی اصل حقیقت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، مان بھی لیا جائے کہ ہندوستان اب تک دار الاسلام ہی باقی ہے، یا دار الاسلام نہین، بعض لوگون کے متعلق مین نے سنا ہے، کہ ایک تیسری شکل دار کی یعنی دار الامن انھون نے پیدا کی ہے، فرض کیجئے کہ وہ دار الامن ہی ہو لیکن غیر اسلامی حکومت کے اس اقتدار کا انکار کیا جا سکتا ہے، جس کی وجہ سے اسلامی احکام و قوانین کے نافذ کرنے کی قدرت مسلمانون مین باقی نہیں رہی ہے، کیا مسلمان اس ملک مین اگر سودی کاروبار کو بزور روکنا چاہین، تو روک سکتے ہین؟ پس دار الاسلام کے کسی علاقہ مین غیر اسلامی حکومت کی صرف چھاونی اگر اتنی قوت کے ساتھ قائم ہو جائے، کہ اسلامی احکام کا نفاذ وہان نہ ہو سکے، جب وہاں ربوا الحربی کے ساتھ باقی نہین رہتا، تو ہندوستان کی موجودہ سیاسی حالت بدرجۂ اولیٰ ربوا کو غیر ربوا بنا دینے کے لئے کیا کافی نہین ہے؟

بہرحال مین تو یہی سمجھتا ہون کہ ربوا کو بدترین معاشی جرم قرار دیتے ہوئے اسلام نے جہان اس کے انسداد مین پورا زور صرف کیا ہے، اسی کا یہ اثر ہے کہ ربوا کے ساتھ حضرت عمرؓ نے مسلمانون کو حکم دیا، کہ الریبہ (یعنی سود سے ملتی جلتی شکلون) کو بھی ترک کر دین فقہائے اسلام نے اسی لئے الربوا کے ساتھ الریبہ کی شکلون

کو منتج کر کے ان پر احکام لگائے، اور کوئی شبہ نہیں کہ جب تک دنیا کے سیاسی اقتدار کی باگ مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں تھی، وہ خدا کی زمین پر ایک ایسے معاشی نظام کے قائم کرنے میں کامیاب ہوئے جس میں سود تو سود یہ واقعہ ہے کہ سود سے معمولی مشابہت رکھنے والے معاملات کا بھی پتہ نہ تھا خصوصاً امام ابو حنیفہ کے انتہائی نازک محتاط مسلک نے اس باب میں جو نتائج کو پیدا کئے ہیں، ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے،

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی یقیناً ایک واقعہ تھا، اور اب بھی ہو کہ اس معاشی جرم کو جرم سمجھنا یا دوسرں کو سمجھانا آسان نہیں ہے، معاشی مسائل کے ادھیڑبن میں علماء معاشیات ایڑی سے چوٹی تک کا زور صرف کر چکے ہیں، اور کر رہے ہیں، لیکن اس وقت تک اس مسئلہ کے متعلق کسی آخری مختتم فیصلہ تک وہ نہیں پہنچے ہیں، یہی وجہ ہے کہ معاشی جرائم کی جو فہرست مذاہب نے دنیا میں پیش کی ہے، مثلاً چوری ڈاکہ فریب، خیانت وغیرہ وغیرہ ان کے جرم ہونے کو تو اقوام عالم نے عموماً تسلیم کر لیا ہے، اور غیر دینی آئین و دساتیر میں بھی ان کے جرم ہونے کو مان لیا گیا ہے، لیکن سود کا حال اس معاملہ میں بالکل مختلف ہے، ایک طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ مذاہب و ادیان اس کے جرم بلکہ شاید بدترین جرم ہونے پر متفق ہیں، لیکن دوسری طرف یہ بھی دیکھا جا رہا ہو کہ مشکل ہی کسی قوم یا ملک کے آئین میں اس کو جرم قرار دیا گیا ہو، مذہبی حیثیت سے خواہ دنیا کا کوئی مذہب ایک چور، بٹ مار، ڈاکو، جیب تراش میں اور سود خوار میں حالانکہ مجرم ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں کرتا بلکہ سود خواری کا مجرم دوسرے جرائم کے ارتکاب کرنے والوں کے مقابلہ میں مذہباً شاید زیادہ ناپاک مجرم ہے لیکن عموماً ممالک و اقوام کی سوسائٹیوں میں سود خواری کے مجرم کو مجرم کی حیثیت سے صرف یہی نہیں کہ نہیں دیکھا جاتا، بلکہ اس کے مجرم ہونے کا خطرہ بھی عام قلوب میں پیدا نہیں ہوتا، حالانکہ اس کا مقام وہاں تھا، جہاں چور اور بٹ مار، ڈاکو، اور فریبی رہتے ہیں، لیکن دیکھا جاتا ہے، کہ وہ شرفا اور شایستہ ترین طبقہ کے ایک معصوم رکن کی حیثیت سے امن و اطمینان کی زندگی آبادیوں میں گذار رہا ہے، اور آج تو بنک کاری کے نظام نے سود خوار بننے کی راہوں میں جو آسانیاں پیدا کر دی ہیں، ان کا نتیجہ تو یہ ہے کہ وہ شریف ہی نہیں ہے

جو سود خوار نہیں ہے، جب تک سود خواری کے کسی مرکز (بنک) کی کتاب آپ کے پاس نہ ہو سمجھا جاتا ہے کہ مہذب طبقہ میں آپ کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے،

یہی سوچنے کی بات ہے کہ ایسی صورت میں سود خواری کی ممانعت اور اس کے انسداد کی تدبیروں کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام نے مسلمانوں کے لئے کچھ ایسی راہیں بھی اگر کھول رکھی ہیں، جن کی وجہ سے مالیات کی بین الاقوامی کش مکش میں مبتلا ہو کر دوسری قوموں کے منہ کے تر لقمہ بننے سے مسلمان محفوظ ہو جائیں، تو اسلامی قانون کے بنانے والے عالم خبیر سے کیا اس کی توقع بے جا توقع ہو سکتی ہے؟

ایک گال کے تھپڑ کے جواب میں دوسرے گال کے پیش کرنے کی غیر عملی اور غیر فطری تلقین اسلام نے مسلمانوں کو نہیں کی ہے، کہنے کی حد تک تو سب کہتے ہیں، جھوم جھوم کر وعظوں اور تقریروں میں مسلمانوں کو سنایا جاتا ہے، کہ جزاء سیئة سیئة مثلها[1] "فان اعتدوا فاعتدوا بمثل ما اعتدیتم به"[2] یا "دان عاقبتم فعاقبوا مثل ما عوقبتم به"[3]، لیکن اسی کے ساتھ دیکھنے والے آخر یہ کب تک دیکھتے رہیں گے، کہ مسلمانوں کو دنیا کی سود خوار قومیں نگلتی چلی جا رہی ہیں، لیکن اس بُرائی کے جواب میں مسلمان ان کا کچھ نہیں کر سکتے، کیا مسلمانوں کے دین الفطرة کا یہی اقتضار ہے؟

مسلمانوں کے ائمہ اجتہاد و تفقہ میں سے اس آنے والی مصیبت کا احساس ان کے سب سے بڑے اور اعظم امام کو اس کے نازل ہونے سے پہلے اگر ہو چکا تھا، اور اسی احساس نے ان کے ذہن کو ان قرآنی اشارات اور نبوی ایماءات کی طرف متوجہ کر دیا جن میں اس آنے والی بین الاقوامی معاشی مصیبت کا علاج مستور تھا، تو اس کی بڑائی کا اقتضا یہی تھا، لیکن بیان کر چکا ہوں کہ بحمد اللہ اس فتوی میں وہ تنہا بھی نہیں ہیں بلکہ ان کے اساتذہ اور بعض جلیل القدر معاصرین کا بھی یہی خیال تھا، البتہ اصل فتوی کی اشاعت کی ذمہ داری اگر کہا جائے تو بلاشبہہ امام اعظم ہی پر عائد ہوتی ہے، اسی نے عام طور پر یہی مشہور بھی ہو گیا، کہ یہ امام اعظم

---

[1] بدی کا بدلہ یہ ہے کہ اسی مانند بدی کی جائے [2] اگر دوسرے تم پر زیادتی کریں تو جیسی زیادتی انھوں نے کی ہو تم بھی اتنی زیادتی کرو [3] اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی لو، جتنا تمھارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے،

کی تنہا رائے ہے،

مولانا ظفر احمد صاحب نے اپنے مضمون مین بعض دوسری ذیلی باتون کا بھی تذکرہ اپنے خیال کی تائید اور حنفی مذہب کے اس جزئیہ کی تردید مین فرمایا ہے، اگرچہ اپنے تمہیدی مضمون مین ان ذیلی باتون کے جواب کی طرف مین اشارہ کرچکا ہون، لیکن مضمون کو ختم کرتے ہوئے چاہتا ہون، کہ صراحۃً بھی ان کا یہان ذکر کردون،

مولانا نے صغریٰ وکبریٰ بنا کر قیاس اقترانی کی شکل مین ایک چیز اس سلسلہ مین یہ پیش کی ہے کہ مالُ الحربی مباحٌ اگر اس صغریٰ کو مان بھی لیا جائے تو اس کا کبریٰ یعنی جو مال مباح ہے، اس مین عقد ربوا جائز ہے، اس کے ثابت کرنے کی ذمہ داری میرے سپرد کرکے پھر خود ہی اس کے بطلان کے ذمہ دار بن کر مولانا نے چند فقہی جزئیات کو بطور نظیر کے پیش کیا ہے، مثلاً نفقہ کا مسئلہ ہے، کہ حاجت اور ضرورت کے وقت باپ کے لئے مباح اور جائز ہے، کہ بیٹے کے مال سے "بقدر حاجت" لے لے، مولانا اس جزئیہ کو پیش کرکے مجھ سے پوچھتے ہین، تو کیا باپ کے لئے اسی صورت مین جائز ہوگا، کہ بیٹے کے اس مال مُباح کو ربوا کی شکل مین لے؟

اب مین کیا عرض کردن، مولانا کے الفاظ بقدر حاجت کے اندر اس کا جواب خود ہی مستور ہے، یعنی بیٹے کا مال دراصل غیر معصوم نہین ہوتا، لیکن باوجود معصوم ہونے کے بقدر ضرورت اس مین اباحت پیدا ہوجاتی ہے، اور ربوا کی جس شکل کے متعلق امام ابوحنیفہ قائل ہین، کہ وہ ربوا باقی نہین رہتا، اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی غیر معصوم مباح مال کے ساتھ معاملہ کیا جائے، بقدر حاجت وضرورت والی اباحت سے مال جب غیر معصوم نہین ہوجاتا، تو اس پر یہ صورت منطبق ہی کہان ہوتی ہے،

باقی اگر کوئی شخص یہ کہدے کہ جس کا جی چاہے میرا مال لے لے یعنی اپنے مال کو مباح کردے، مین تو خیال کرتا ہون کہ اس شخص کا مال اگر ربوا کے نام سے بھی کوئی لے گا، تو یقیناً وہ ربوا نہین ہوگا اس کی مثال تو ایسی ہے کہ ایک شخص اپنی آمدنیون کو مختلف مدون مین جمع کرتا ہے، اور ہر مد کے مصارف متعین کردیتا ہے

اگر بضرورت ایک مد کی آمدنی سے دوسرے مد کے مصارف مین کچھ خرچ کرے، اور پھر اسی مد مین مثلاً دس اگر لئے تھے، بیس روپیہ یہ کہتے ہوئے جمع کرے، کہ دس زائد سود ہے، تو کیا واقع مین یہ دس کی رقم سود ہوجائیگی؟ آخر لَا رِبٰوا بینَ العبدِ والمَولیٰ والی صورت مین مولانا نے بھی تو اقرار کیا ہے، کہ گو ربوا کا لفظ بولا جائے لیکن درحقیقت وہ ربوا نہ ہوگا،

مولانا نے غنیمت کے مسائل واحکام کا تذکرہ کرکے چاہا ہے کہ لاربوا بین المسلم والحربی والے مسئلہ پر بھی ان کو منطبق کرین، یعنی غنیمت کے مال پر امام کی تقسیم کے بغیر قبضہ کرنا ناجائز ہے، یا دار الاسلام مین جب تک غنیمت کا مال نہ پہنچ جائے، اس وقت تک اس مین مسلمانون کی ملکیت نہین پیدا ہوتی، ان باتون کا جواب مین شروع ہی مین دے چکا ہون اور عرض کرچکا ہون کہ الحربی سے جو اموال لئے جاتے ہین، ان کی ایک قسم تو وہ ہے جن کے حصول مین حکومت کی پشت پناہی اور فوج کی مدد شامل ہو، اور یہ سارے احکام اسی سے متعلق ہین، لیکن الحربی کے جس مال پر حکومت اور حکومت کی فوج کی امداد کے بغیر قبضہ ہوگیا ہو تو امام محمدؒ کے حوالہ سے گذر چکا کہ

ھٰذا لیس بغنیمۃ بل ھو احراز المباح فیکون بمنزلۃ الاصطیادِ والاحتشاش. (سیر کبیر جلد ۳ ص۱۹)	یہ مال غنیمت نہین ہے، بلکہ ایک جائز اور مُباح مال پر قبضہ حاصل کرنا ہے، پس اس کی مثال وہی شکار، اور گھاس گڑھنے کی مانند ہوگی،

اور امام محمد نے اموال کی اس قسم کے متعلق یہ فتویٰ نقل کیا ہے،

فالماخوذ لمن اخذہٗ ولا خُمُسَ فیہ، (سیر کبیر جلد ۳ ص۳)	پس اس ذریعہ سے جو مال لیا جائے گا وہ صرف لینے والے ہی کا ہوگا، اور اس مین حکومت کا حصہ خمس بھی نہین ہے،

ان امور کے متعلق تفصیلی طور پر تمہید مین مجھے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکا ہون، اعادہ ان کا صرف مزید

تنبیہ کے لئے کیا گیا،

آخر مین مولانا نے ایک سوال جو یہ اٹھایا ہے کہ لینے کے ساتھ کیا حربیون کو مسلمان سود بھی دیسکتے ہین، ؟ اور جواب مین آپ نے امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے، کہ حربیون کو سود دینے کی اجازت وہ نہین دیتے ہین، سچ پوچھئے تو اس مسئلہ پر گفتگو بھی کرنا نہین چاہتا، اور نہ مین نے کوئی ایسا دعوی کیا ہے، لیکن بین الاقوامی اباحت کے جس قانون کا اپنے مضمون کی ابتدا مین مین نے ذکر کیا ہے، اگر وہ صحیح ہو تو جس طرح حربیون کا مال مسلمانون کے لئے ایسی صورت مین مُباح ہو جاتا ہے، خود مسلمانون کا مال بھی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک حربیون کے لئے مباح ہے، اور اس بنیاد پر مسئلہ کی جو صورت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے' ابن ہمام نے اسی لاربوا بین الحربی والمسلم کے ذیل مین جو کچھ لکھا ہے، اس کا مطالعہ مفید ہوگا، شمس الائمہ سرخسی کی ایک عبارت مین بھی پیش کر دیتا ہون، وہ لکھتے ہین :-

المسلم یبائع الحربی بذلك فی دارالحرب ثم اسلم الحربی وخرج الی دارنا قبل التقابض فان خاصمه فی ذلك الی القاضی ابطله وان کانا تقابضا فی دارالحرب ثم اختصما لم ینظر فیه ویستوی ان کان المسلم اخذ الدرھمین بالدرھم او الدرھم بالدرھمین لانه طیب نفس الکافر بما

ایک مسلمان کسی حربی سے یہی معاملہ (سود) کا دارالحرب مین کرتا ہے، پھر وہ حربی مسلمان ہو جاتا ہے، اور غیر اسلامی علاقہ سے منتقل ہو کر ہمارے علاقہ مین اس وقت آجاتا ہے جب کہ سود والے کاروبار کے ذریعہ سے لین دین کا جو معاملہ ہوا تھا، اس مین تقابض بدلین کی تکمیل نہین ہوئی تھی، یعنی مسلمان نے سود کی رقم پر قبضہ نہین کیا تھا، اب اگر ایسی صورت مین وہ دارالاسلام مین پہنچکر مسلمانون کے قاضی کے اجلاس مین دعویٰ

اعطاہ قبل ذلك او کثر واخذ ماله بطریق الاباحة کما قررناہ

(جلد ۱۴ صفحہ ۵۹ مبسوط)

دائر کرے، یعنی چاہے کہ سود کے ذریعہ اس پر جو رقم واجب مسلمان کی ہوئی ہے اسے باطل ٹھہرایا جائے، تو قاضی اس معاملہ کو باطل قرار دے گا، لیکن اگر تقابض بدلین کا معاملہ دارالحرب ہی میں مکمل ہو چکا ہو اس کے بعد اگر ہماری عدالت مین وہ رجوع کرے گا، تو ہم اس معاملہ کی طرف توجہ نہ کرین گے، اور برابر ہے اس مسئلہ مین یہ بات کہ مسلمان نے ایک درم دے کر دو درم لئے ہون، یا ایک درم لے کر اسی مسلمان کو دو درم دینے پڑے ہون، (یعنی مسلمان سے سود لینا اور سود دینا دونون برابر ہے) کیونکہ مسلمان نے مال کافر کے جی کو خوش کر کے لیا ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ اور یہ کہ اس مسلمان نے جس مال کو قبضہ کر کے اپنی ملک بنایا ہے، وہ اباحت کی راہ سے بنایا ہے، جیسا ہم اسکی تقریر کر چکے ہین۔

مبادی فلسفہ حصۂ دوم

یہ مولانا عبد الماجد صاحب دریا دی کے فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ ہے، جو نظر ثانی کے بعد جمع کئے گئے ہین، قیمت :- عدمر

"منیجر"

عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمن (علیگ) رفیق دار المصنفین

(۷)

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ العزیز کے جد بزرگوار حضرت کمال الدین علی شاہ قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے تھے، فرشتہ تذکرہ اولیاے ہند مصنفہ شیخ عین الدین بیجاپوری کے حوالہ سے رقمطراز ہے کہ

"شیخ بہاء الدین زکریا از اولاد ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیز بن

[۱] اس سلسلہ کے مقالات میں ان ہی اولیاء اللہ کا ذکر ہے جو صاحب تصانیف بھی تھے، اور ان کی ترتیب ان کی وفات کے سنہ کے لحاظ سے رکھی گئی ہے، اس لحاظ سے حضرت بہاء الدین زکریاؒ کا ذکر پہلے ہی ہونا چاہئے تھا، لیکن شروع میں ان کی کوئی تصنیف نظر سے نہیں گذری، مگر بعد میں ان کے بعض خطوط اور وصایا سے ان کی صوفیانہ تعلیمات کا اندازہ ہوا، پھر ان کے مریدوں اور اولادوں نے اپنی تصانیف اور وصایا میں تصوف کو جس رنگ میں پیش کیا ہے اس کا مطالعہ ضروری ہے، اس لئے سہروردیہ سلسلہ کے مشائخ کرام کے ذکر خیر سے سعادت و برکت حاصل کی جاتی ہے، گو اس مقالہ کی سنہ وار ترتیب میں کچھ فرق پیدا ہو گیا ہے،

اقصیٰ است و ہبار اسلام آورد و بود برادران او و معہ و عمر و عقیل با حالت کفر در جنگ بدر بقتل رسیدند و سودہ کہ در زنان پیغمبر بود دختر و معہ است"[۱]

حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے جد امجد حضرت کمال الدین علی شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم آئے، اور وہاں سے آکر ملتان میں سکونت اختیار فرمائی، یہاں اُن کے فرزند مولانا وجیہ الدین محمد تولد ہوئے جن کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی لڑکی سے ہوئی، مولانا حسام الدین تاتاریوں کے حملہ کی وجہ سے ملتان کے نواح قلعہ کوٹ کروڑ میں متوطن تھے، مولانا وجیہ الدین بھی خسر کے ساتھ قلعہ کوٹ کروڑ ہی میں رہنے لگے، اور یہیں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت باسعادت ہوئی،[۲] بارہ سال کے ہوئے تو والد بزرگوار عالم جاودانی کو سدھارے، والد ماجد کی وفات کے بعد کلام پاک کا حفظ شروع کیا، ساتوں قراءتوں کے ساتھ حفظ کر چکے تو مزید تعلیم کے لئے خراسان کی طرف چل کھڑے ہوئے، یہاں پہنچکر سات سال تک بزرگان دین سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کرتے رہے، وہاں سے بخارا جاکر علم میں کمال حاصل کیا۔۔۔۔ ان کے اوصاف پسندیدہ اور خصائل حمیدہ کی وجہ سے بخارا کے لوگ ان کو بہاء الدین فرشتہ کہا کرتے تھے، یہاں آٹھ سال تک تحصیل علم کرتے رہے، پھر بخارا سے حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ گئے، وہاں سے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور پانچ سال تک جوار رسول میں زندگی بسر کی، اس مدت میں مولانا کمال الدین محمد سے جو اپنے عہد کے جلیل القدر محدث تھے حدیث پڑھی، مولانا کمال الدین محمد نے تریپن سال تک مجاور کی حیثیت سے حرم نبوی کی خدمت کی، حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے حدیث کی تعلیم سے فراغت کے بعد روضۂ اقدس کے پاس تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن کے لئے مجاہدہ شروع کیا، پھر وہاں سے چل کر بیت المقدس پہونچے، اور وہاں سے بغداد شریف گئے،[۳] بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز کی صحبت سے فیضیاب ہو کر

[۱] تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۴ [۲] سیر العارفین ص ۱۰۷، و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین [۳] سیر العارفین ص ۱۰۸، و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین،

خرقۂ خلافت پایا، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہٗ نے اپنے مرشد کے پاس صرف سترہ روز قیام فرمایا تھا، کہ ان کو پیر دستگیر کی طرف سے ساری روحانی نعمتیں مل گئیں، اور خرقۂ خلافت سے بھی سرفراز کئے گئے، اس سے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے دوسرے مریدوں کے دل میں رشک پیدا ہوا، اور شیخ سے عرض کی، کہ

"ما چندین سالہا خدمت کردیم مارا چندان نعمت نرسید، ہندوستانی بیاید، و در مدت اندک شیخی یافت، و نعمتِ فراوان؟"

مگر شیخ نے ان کو یہ کہکر خاموش کر دیا کہ تم تر لکڑیوں کے مانند ہو، جن میں آگ مشکل اور دیر سے لگ سکتی ہے، بہاء الدین زکریا خشک لکڑی کے مانند تھے، جس میں آگ جلد اثر کرتی ہے،[1]

خرقۂ خلافت پانے کے بعد حکم ملا کہ ملتان واپس جاکر قیام کرو، اور وہاں کے باشندوں کو فیض پہنچاؤ، حضرت جلال الدین تبریزی بھی شیخ الشیوخ کے ساتھ مقیم تھے، جب حضرت بہاء الدین زکریا بغداد سے رخصت ہونے لگے، تو غایت محبت میں وہ بھی اپنے پیر سے اجازت لے کر ان کے ساتھ ہو گئے،[2] بیان کیا جاتا ہے کہ جب دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے، تو شیخ جلال الدین تبریزی، حضرت شیخ فرید الدین عطار رح کی خدمت میں تشریف لے گئے، ملاقات کے بعد واپس ہوئے، تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رح نے ان سے دریافت کیا کہ آج کی سیر میں درویشوں میں کس کو سب سے بہتر پایا، بولے شیخ فرید الدین عطار کو، حضرت بہاء الدین زکریا رح نے پوچھا، کہ ان سے کیا کیا صحبت رہی، جواب دیا کہ مجھ کو دیکھتے ہی انھوں نے دریافت کیا، کہ آپ لوگوں کا کہاں سے آنا ہوا، میں نے عرض کی خطۂ بغداد سے آتا ہوں، پھر استفسار کیا کہ وہاں کون درویشی مشغول بحق ہے، میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رح نے حضرت جلال الدین تبریزی سے پوچھا، کہ اپنے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی رح کا ذکر کیوں نہ کیا، جواب دیا کہ شیخ فرید الدین رح کی

[1] فوائد الفواد صفحہ ۲۳۔ [2] سیر العارفین صفحہ ۱،

عظمت میرے دل پر ایسی چھائی ہوئی تھی، کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رح کو بھول گیا، یہ سنکر شیخ بہاء الدین زکریا رح کو بہت ملال ہوا، اور وہ حضرت جلال الدین تبریزی رح سے علحدہ ہو کر ملتان چلے آئے، اور حضرت جلال الدین تبریزی رح خراسان جاکر مقیم ہوئے[1]

ملتان کی مدت قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کے انوار سے منور ہو گیا تھا، اور ان کا عہد خیر الاعصار کہا جاتا ہے،[2]

شیخ محمد نور بخش مولف سلسلۃ الذہب میں رقمطراز ہیں :-

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ ہندوستان میں رئیس الاولیاء تھے، علوم ظاہری کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات کے مقامات و احوال میں کامل تھے، ان سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے منتسب ہوئے لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی، اور ان کو کفر سے ایمان کی طرف معصیت سے طاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے، اور ان کی شان بڑی تھی"[3]

سفینۃ الاولیاء میں ہے :-

"و بہ رخصت شیخ الشیوخ بملتان آمدہ متوطن شدہ، و بارشاد طالبان مشغول شدند، و خلق بسیارے از برکت قدوم ایشان بہ ہدایت رسیدند و اہل آن دیار تمام مرید و معتقد ایشان شدند و الحال نیز دران دیار ہمہ مرید ایشانند (صفحہ ۱۹۰)

رشد و ہدایت عوام و خواص دونوں کے لئے تھی اور دونوں طبقوں کو اپنی ذات بابرکت سے فیض پہنچانے کی کوشش فرماتے، اس وقت ملتان کا حکمران ناصر الدین قباچہ تھا، جو سلطان شمس الدین التمش کا حریف بھی تھا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا قلبی رجحان سلطان التمش کی طرف تھا، کیونکہ جیسا کہ ذکر آچکا ہے، وہ اپنے زہد و تقویٰ، دینداری اور شریعت کی پاسداری کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا ہے، ناصر الدین قباچہ

[1] سیر العارفین جلد ا ص ۲۱ و جلد دوم صفحہ ۳۵ و فوائد الفواد ص ۲۵۲ [2] فرشتہ جلد اول صفحہ ۴۰۳ بحوالہ اخبار الاخیار صفحہ ۲۰۰

نے سلطان التمش کی بڑھتی ہوئی سطوت و قوت کو دیکھ کر اس کے خلاف معاندانہ سازش شروع کی، اس کو ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی اور خود شیخ بہاء الدین زکریا نے پسند نہ کیا، قاضی شرف الدین اصفہانی بہت ہی متدین عالم تھے، انھون نے دین کی فلاح اسی مین دیکھی، کہ سلطان التمش کو قباچہ کی سازش سے مطلع کر دین، شیخ بہاء الدین زکریا نے بھی ان کی حمایت کی، اور دونون نے علحدہ علحدہ سلطان التمش کو خطوط لکھے، مگر دونون مکتوب قباچہ کے آدمیون کے ہاتھ لگ گئے، قباچہ ان کو پڑھ کر بہت مشتعل ہوا، اور ایک محضر کے ذریعہ دونون کو طلب کیا، جب وہ دونون مجلس مین تشریف لے گئے تو قباچہ نے شیخ بہاء الدین زکریا کو اپنی داہنی جانب بٹھایا، اور قاضی شرف الدین اصفہانی کو اپنے روبرو بیٹھنے کا حکم دیا، اور ان کا خط ان کے ہاتھ مین دیا، قاضی شرف الدین اصفہانی نے خط پڑھ کر خاموشی اختیار کی، قباچہ نے غصہ مین جلاد کو حکم دیا کہ اسی وقت وہ تہ تیغ کر دیئے جائین، جلاد نے آگے بڑھکر سر قلم کر دیا، جب شیخ بہاء الدین زکریا کے ہاتھ مین ان کا مکتوب دیا گیا، تو انھون نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا، کہ بے شک یہ خط میرا ہے، مگر مین نے حق تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے، اور صحیح لکھا ہے، یہ سُن کر قباچہ پر لرزہ طاری ہوگیا، اور اوس نے معذرت کرکے شیخ بہاء الدین زکریا کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیا[1]،

مگر خلق اللہ کی خاطر شاہی حکام کے ساتھ اشتراک عمل کرنے مین بھی دریغ نہ فرماتے، ملتان مین ایک بار سخت قحط پڑا، والی ملتان کو غلہ کی ضرورت ہوئی، شیخ بہاء الدین زکریا نے غلہ کی ایک بڑی مقدار اپنے ہان سے اس کے پاس بھیجی، جب غلہ اس کے پاس پہنچا، تو اس کے انبار سے نقرئی ٹنکے کے سات کوزے بھی نکلے، والی ملتان نے شیخ کو اس کی اطلاع دی، انھون نے فرمایا ہم کو پہلے سے معلوم تھا،

[1] فوائد الفواد ص ۷۰ و سیر العارفین ص ۲۵، ۲۶، تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۶، فوائد الفواد مین یہ بھی ہے کہ قباچہ نے اس وقت کھانا منگوایا، کہ اگر شیخ بہاء الدین زکریا کھانے مین اس کے ساتھ شریک نہ ہون گے، تو اسی بہانہ ان کو ایذا پہنچانے گا، مگر شیخ بہاء الدین زکریا بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھانے مین شریک ہو گئے،

لیکن غلہ کے ساتھ اسے بھی ہم نے بخشا،

شیخ بہاء الدین زکریا کے مطبخ مین طرح طرح کے کھانے پکتے تھے، مگر شیخ کو ان نعمتون کے کھانے مین اسی وقت لذت ملتی، جب وہ مہمانون، مسافرون اور درویشون کے ساتھ مل کر کھاتے، جس شخص کو دیکھتے کہ وہ کھانا رغبت سے کھاتا ہے اس کو بہت دوست رکھتے تھے، ایک مرتبہ فقراء کی ایک بڑی جماعت دسترخوان پر شریک تھی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے ہر فقیر کے ساتھ ایک ایک لقمہ کھایا، ایک فقیر کو دیکھا کہ روٹی شوربے مین بھگو کر کھا رہا ہے فرمایا سبحان اللہ ان سب فقیرون مین یہ فقیر خوب کھانا جانتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نان ترکو اور کھانون پر وہی فضیلت ہے جو فضیلت مجھکو تمام انبیاء پر ہے اور عائشہ رضؓ کو تمام دنیا کی عورتون پر ہے[1]،

شیخ کو کبھی دولت کی کمی محسوس نہ ہوئی، مگر وہ خود اس سے ہمیشہ مستغنی و بے نیاز رہے، ایک روز خادم سے فرمایا کہ جاؤ جس صندوقچہ مین پانچہزار دینار سُرخ رکھے ہین، اس کو اٹھا لاؤ، خادم نے ہر چند تلاش کیا، مگر صندوقچہ کہین نہ ملا، وہ مایوس ہو کر واپس آیا، اور شیخ کو اطلاع دی، کچھ تامل کے بعد فرمایا، الحمد للہ تھوڑی دیر کے بعد خادم پھر آیا، اور صندوقچہ کے مل جانے کی اطلاع دی، پھر الحمد للہ کہکر خاموش ہو گئے، حاضرین نے عرض کی کہ حضرت نے صندوقچہ گم ہونے پر بھی الحمد للہ فرمایا، اور ملجانے پر بھی، اس مین کیا حکمت تھی، ارشاد فرمایا کہ فقیرون کے لئے دنیا کا وجود اور عدم دونون برابر ہے، ان کو کسی چیز کے آنے پر نہ خوشی ہوتی ہے، اور نہ اس کے جانے کا غم ہوتا ہے، اور پانچون ہزار دینار حاجت مندون مین تقسیم کرا دیئے[2]،

مزاج مین حلم و بردباری بہت تھی، ایک روز خانقاہ مین تشریف فرما تھے، کہ دلق پوش قلندرون کی ایک جماعت پہنچی، اور ان سے مالی مدد کی خواستگار ہوئی انھون نے اس جماعت سے بے زاری کا اظہار فرمایا، اس پر قلندرون نے گستاخی شروع کر دی، اور اینٹ پتھر سے ان کو مارنے لگے، حضرت شیخ نے خادم سے

[1] فوائد الفواد و سیر العارفین ص ۳۰، ۳۱ [2] سیر العارفین ص ۲۹ و مراۃ الاسرار قلمی،

فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دو، جب دروازہ بند ہوگیا تو قلندروں نے دروازہ پر پتھر مارنے شروع کئے، حضرت شیخ نے کچھ تامل کے بعد خادم سے فرمایا، دروازہ کھول دو، میں اس جگہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ کا بٹھایا ہوا ہوں، خود سے نہیں بیٹھا ہوں، خادم نے دروازہ کھول دیا، اسی وقت قلندر نادم ہوئے اور اپنے قصور کی معافی چاہی[1]،

غایت تواضع میں اپنی تعظیم وتکریم پسند نہیں فرماتے تھے، ایک بار خانقاہ میں کچھ مرید حوض کے کنارہ وضو کر رہے تھے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ان کے پاس پہنچ گئے، مریدوں نے وضو ختم نہیں کیا تھا، کہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے، اور سلام عرض کیا، مگر ایک مرید نے وضو تمام کرکے مراسم تعظیم ادا کئے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا، تم سب درویشوں میں افضل اور زاہد ہو،

مگر وہ خود دوسروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جب وارد ہندوستان ہوئے، تو ملتان آکر ٹھہرے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا اُن سے تعظیم و محبت اور شفقت سے ملے، اور اصرار کرکے کچھ دنوں ان کو اپنے یہاں روکا، حضرت خواجہ بختیار کاکی بھی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی بڑی قدر کرتے تھے، چنانچہ جب معتقدین نے ان کو ملتان میں قیام کرنے کی دعوت دی، تو فرمایا کہ ملتان کی سرزمین شیخ بہاء الدین کا قبضہ اور سایہ کافی ہے، یہاں ان ہی کا تعلق ہے ان ہی کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی[2]،

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا بابا گنج شکر کی بھی بہت عزت کرتے تھے، بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ دونوں خالہ زاد بھائی بھی تھے، اور باہم بڑی محبت اور مودت تھی، حضرت شیخ بہاء الدین نے ایک موقع پر کسی بات کی معذرت کرتے ہوئے، بابا صاحب کو لکھا،

"میان ما و شما عشقبازی است"

---

[1] فوائد الفواد [2] سیر العارفین صفحہ ۴۰،

بابا گنج شکر نے اس کا جواب دیا،

"میان ما و شما عشق است بازی نیست"[1]

ایک موقع پر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے عزت و احترام کا جو نمونہ پیش کیا تھا، اس کا ذکر بادۂ تصوف کے سرشاروں کے لئے بہت ہی خمار آگیں ہے، اوپر بیان کیا جا چکا ہے، کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نیشاپور میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ سے علحدہ ہوکر خراسان چلے گئے تھے، کچھ عرصہ کے بعد دہلی تشریف لائے، سلطان التمش ان کی عظمت اور بزرگی کی شہرت پہلے سے سن چکا تھا، چنانچہ جب وہ دہلی کے قریب پہونچے، تو سلطان نے علما و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے باہر جاکر ان کا استقبال کیا، اور اُن کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اتر آیا، اور ان کو آگے کرکے خود پیچھے پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا، یہ تعظیم و تکریم شیخ الاسلام نجم الدین صغری کو پسند نہ آئی، ان کے دل میں حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی طرف سے رشک و حسد کی آگ بھڑک اٹھی، مگر اس کا اظہار نہیں کیا، اور سلطان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ اس کی (یعنی نجم الدین صغری) قیامگاہ کے قریب ہی فروکش ہوں، اور قیام کے لئے ایک مکان تجویز کیا، جو بیت الجن کے نام سے مشہور تھا، سلطان نے اپنے عزیز اور محبوب مہمان کو جنوں کے مکان میں ٹھہرانا پسند نہ کیا، مگر نجم الدین صغری نے کہا اگر حضرت جلال الدین تبریزی کامل درویش ہوں گے، تو مکان خود جنات سے پاک ہوجائے گا، اور اگر ناقص ہوں گے، تو اپنی فریب دہی کی سزا پائیں گے، یہ گفتگو بالکل علحدہ ہوئی تھی، کہ حضرت جلال الدین تبریزی نے خود اس مکان میں رہنے کا اعلان کر دیا، جب وہ اس مکان میں داخل ہوئے تو ان کے قدم کی برکت سے مکان تمام بلیات سے پاک ہوگیا، اور ان کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچا، دوسرے روز حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے شہر کی تنگ گلیوں میں سے ہوکر چلے، حضرت بختیار کاکی کو کشف ہوا کہ حضرت جلال الدین

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۷، ۷۶ و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین،

تبریزی ان سے ملنے آرہے ہیں، تو وہ خود گلیوں میں ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو بڑھے، راستہ میں قران السعدین واقع ہوا، جس وقت حضرت خواجہ جلال الدین خواجہ بختیار کے ہمراہ ان کی خانقاہ میں پہنچے، اس وقت یہاں مجلس سماع ہو رہی تھی، فقراء جمع تھے، اس بیت پر خواجہ صاحب کو وجد آگیا،

در میکدۂ وحدۃ اغیار نمی گنجد در عالم یکرنگی اغیار نمی گنجد

سلطان التمش حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھ کر ان کا اور بھی معتقد ہو گیا، اس سے نجم الدین صغری کا حسد اور زیادہ بڑھا، ایک روز موسم بہار میں سلطان التمش نے فجر کی نماز سے پہلے نجم الدین صغری کو اپنے محل میں بلایا، اور ان کو امام بنایا، نماز شاہی محل کی چھت پر ہوئی جھت کے سامنے حضرت جلال الدین تبریزی کی قیامگاہ تھی، وہ صبح کی نماز سے فراغت کے بعد صحن خانہ میں چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے، اور ایک ملازم جس کو اللہ تعالیٰ نے حسن صورت بھی عطا کیا تھا ان کے پاؤں دبا رہا تھا، نجم الدین صغری کو خیال ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نماز سے غافل ہو کر محو استراحت ہیں، اسی وقت سلطان کا ہاتھ پکڑ کر کہا، کہ آپ ایسے ہی دنیا پرست درویشوں کے معتقد ہیں، یہ سونے کا کون سا وقت ہے، اور ایک صاحب جمال غلام بھی پاس بیٹھا ہے، حضرت جلال الدین تبریزیؒ کو نور باطن سے نجم الدین صغری کی بدگمانی معلوم ہو گئی، تو اسی وقت اٹھے، اور صحن خانہ ہی میں سلطان کو حقیقت سے آگاہ کیا،

سلطان نادم ہوا اور نجم الدین صغری سے کہنے لگا کہ تم شیخ الاسلام ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو، تم کو نیک و بد کی بھی پہچان نہیں، مگر نجم الدین صغری شرمندہ ہونے کے بجائے اندرونی طور پر اور زیادہ برہم ہو گئے، اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ پرخاش بہت زیادہ بڑھ گئی، اور شہر کی ایک حسین و جمیل مطربہ کو پانچ سو اشرفیاں دینے کا وعدہ کر کے آمادہ کیا کہ وہ حضرت جلال الدین تبریزی پر فسق و زنا کا الزام لگائے، مطربہ نے سلطان کے پاس جا کر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کو متہم کیا، سلطان سن کر ششدر ہو گیا، وہ سمجھتا تھا، کہ یہ جھوٹا الزام ہے، اور مطربہ کو اس کی دروغگوئی کی پوری سزا دے سکتا تھا، لیکن قانون

کی وجہ سے معذور تھا، مدعیہ خود اپنے بیان سے واجب التعذیر فاحشہ ثابت ہو رہی تھی، مگر حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر بغیر شہادت کے تہمت زنا ثابت نہیں ہو سکتی تھی، مدعیہ کا تنہا بیان کافی نہ تھا، لیکن اس کا مقدمہ سامنے آجانے کے بعد اس کی شرعی تحقیقات بھی ضروری تھی، اس لئے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا، محضر میں شرکت کے لئے ہندوستان کے مشاہیر علماء و مشائخ کو دعوت دی گئی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے بھی اس دعوت کو قبول کیا، اور وہ دہلی تشریف لائے اس محضر میں دو سو صرف اولیائے کرام شریک ہوئے، محضر جامع مسجد میں منعقد ہوا،

شیخ الاسلام نجم الدین صغری کو حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ، اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی کشیدگی کا علم تھا، چنانچہ وہ ان دونوں کی اس کشیدگی اور ناراضی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، شیخ الاسلام کی حیثیت سے انھوں نے شیخ بہاء الدین زکریاؒ ہی کو حکم مقرر کیا، جمعہ کی نماز کے بعد مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی، مطربہ پیش کی گئی، حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کو بھی طلب کیا گیا، جس وقت وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے، سارے علماء و اولیاء ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے، اور جب حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے اپنی جوتیاں اتاریں تو شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں، سلطان التمش بہت متاثر ہوا، کہ ایک جلیل القدر حکم اپنے سامنے پیش ہونے والے ملزم کی ایسی توقیر و عظمت کر رہا ہے جو حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے معصوم ہونے کی دلیل ہے اور تحقیقات کی کارروائی روک دینی چاہی، مگر شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے فرمایا،

"میرے لئے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں، کیونکہ وہ میرے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے، لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دل میں یہ خیال ہو کہ بہاء الدین نے شیخ جلال الدین تبریزی کی تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ

ڈال دیا ہے، تو یہ اہل اللہ پر بخوبی روشن ہے، کہ حضرت جلال الدین سے ایسے فعل شنیع کا واقع ہونا محال ہے، لیکن پھر بھی دلائل بینہ کا اظہار ضروری ہے، اس لئے مدعیہ مطربہ کو سامنے لاؤ۔

چنانچہ مطربہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے سامنے لائی گئی، مگر اس پر ایسا رعب طاری ہوگیا، کہ اس نے تہمت ثابت کرنے کے بجائے شروع سے آخر تک پورا واقعہ بیان کر دیا، کہ نجم الدین صغری نے اس کو طمع دلا کر حضرت جلال الدین تبریزی پر الزام رکھنے کے لئے آمادہ کیا تھا، اس سازش کے افشا پر نجم الدین صغری ایسے ذلیل اور پشیمان ہوئے، کہ مجلس ہی مین ان کو غش آگیا، اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی معصومیت ثابت ہوگئی، سلطان التتمش نے اس کذب و بہتان کی سزا مین نجم الدین صغری کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے برطرف کرکے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سے اس کے قبول کرنے کی استدعا کی، انھون نے قبول فرمایا، اور ایک مدت مدید تک شیخ الاسلام کا عہدہ ان کے خاندان مین جاری رہا۔[۱]

حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے صحیفۂ کمال مین جود و سخا کی بھی اعلیٰ مثالین ملتی ہین، ایک بار ان کے معتقدون اور مریدون کا جہاز غرق ہو رہا تھا، غایت اضطراب مین انھون نے حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ سے روحانی استمداد کی، اللہ جل شانہ کی قدرت سے وہ جہاز محفوظ رہ گیا، جہاز پر موتی اور جواہرات کے بڑے بڑے تاجر تھے، جب جہاز ساحل پر پہنچا، تو ان تاجرون نے اپنے مال کا ایک ثلث حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت مین نذر کرنے کا عہد کیا، اور ان کی جانب سے خواجہ فخر الدین گیلانی نقد و جواہرات لے کر ان کی خدمت مین حاضر ہوئے، جواہرات کی قیمت اور نقد رقم ملا کر ستر لاکھ چاندی کے ٹنکے ہوتے تھے، شیخ نے اس کو قبول تو کر لیا، لیکن تین دن کے اندر

[۱] سیر العارفین جلد دوم ص ۱۶۸، ۲۰

کل رقم حقدارون محتاجون اور مسکینون مین تقسیم کرا دی، خواجہ فخر الدین گیلانی اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ انھون نے اسی وقت اپنا تمام مال و اسباب فقرا مین بانٹ دیا، اور فقیری اختیار کر لی، پانچ برس شیخ کی خدمت مین گذار کر بیت اللہ کے حج کو روانہ ہوئے، مگر جدہ پہنچکر جنت کی راہ لی۔[۲]

سماع سے بھی کبھی کبھی شغل فرماتے تھے، ایک مرتبہ عبد اللہ رومی قوال ملتان وارد ہوا، اور خدمت عالی مین حاضر ہوکر عرض کی، کہ اس کا گانا حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی نے شوق کے ساتھ سنا ہے، اور وہ ان کی خدمت مین اکثر حاضر ہوتا رہا ہے، شیخ نے فرمایا کہ جب شیخ الشیوخ نے سنا ہے تو زکریا بھی سنے گا، چنانچہ قوال کو ایک خاص حجرہ میں بلایا گیا، عشا کی نماز کے بعد ایک پہر رات گذری ہوگی کہ خود حجرہ میں تشریف لائے، دو پارے کلام پاک تلاوت کرکے قوال کو سنانے کا حکم دیا، اور حجرہ کے دروازہ مین زنجیر لگا دی، قوال نے گانا شروع کیا،

مستان کہ شراب ناب خوردند　　　　از پہلوے خود کباب خوردند

جب اس بیت کی تکرار کی تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا وجد مین کھڑے ہوگئے، اور حجرہ کا چراغ گل کر دیا، قوال کا بیان ہے کہ اس کو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا، کہ شیخ کی کیا کیفیت ہو رہی ہو، صرف دامن معلوم ہوتا تھا، اور کچھ نظر نہ آتا تھا، تھوڑے وقفہ کے بعد شیخ حجرہ سے باہر تشریف لے گئے، اور وہ (یعنی قوال) اپنے رفیقون کے ساتھ حجرہ ہی مین رہا، جب صبح ہوئی تو شیخ نے خادم کے ہاتھ خلعت اور بیس نقرئی ٹنکے بھجوا دیئے۔[۳]

عبادت و ریاضت مین کلام پاک کی تلاوت سے بڑا شغف رکھتے تھے، ایک بار اپنے خلفا کے ساتھ مجلس مین بیٹھے تھے، کہ ان سے مخاطب ہوکر فرمایا، تم مین سے کوئی شخص ایسا ہے، کہ دو رکعت نماز کی نیت باندھے، اور ایک رکعت مین نماز کے درمیان کلام پاک ختم کرے، حاضرین مین سے کسی کی یہ ہمت

[۲] سیر العارفین ص ۲۲ [۳] فوائد الفواد ص ۱۳۷، و سیر العارفین ص ۳۰،

نہ ہوئی، پھر خود ہی نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، اور دو رکعت نماز کی نیت کرکے پہلی ہی رکعت مین پورا کلام مجید ختم کر دیا، اور چار پارے اور پڑھے، دوسری رکعت مین سورۂ اخلاص پڑھی بارہا فرماتے تھے کہ اہل دل سے مجھ کو جو کچھ فیض پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو عمل مین لانے کی بھی توفیق عطا فرمائی ہے، اور جس کام کے لئے حوصلہ کیا، وہ پورا ہوا، لیکن ایک کام اب تک نہیں ہو سکا، ایک بزرگ آغاز صبح سے طلوع آفتاب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہین، مین نے بھی ہر چند اس کی کوشش کی، مگر یہ حوصلہ پورا نہین ہو سکا، تین چار پارے باقی رہ جاتے ہین، مگر سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ مین نے اپنے پیر دستگیر شیخ سماء الحق والدین سے سنا تھا، کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے بعد کلام پاک کا آغاز کرتے، اور فجر کی نماز کی سنتون تک پورا ختم کر لیتے تھے،[1]

وفات کے روز اپنے حجرہ مین عبادت مین مشغول تھے، کہ حجرہ کے باہر ایک نورانی چہرہ کے مقدس بزرگ نمودار ہوئے، اور حضرت شیخ صدر الدین کے ہاتھ مین ایک سر بمہر خط دیا، حضرت شیخ صدر الدین خط کا عنوان دیکھ کر متحیر ہوئے، ..... والد بزرگوار کی خدمت مین پیش کر کے باہر آئے تو قاصد کو نہ پایا، خط پڑھنے کے ساتھ ہی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اور آواز بلند ہوئی،

"دوست بدوست رسید"

یہ آواز سن کر حضرت شیخ صدر الدین دوڑتے ہوئے حجرے مین آگئے، تو دیکھا آواز حقیقت بن چکی تھی،[2]

سنہ وفات مین اختلاف ہے، اخبار الاخیار مین سال وفات ۶۶۱ھ ہے، سفینۃ الاولیاء اور فرشتہ مین ۶۶۶ھ اور مراۃ الاسرار مین ۶۶۵ھ ہے، سفینۃ الاولیاء مین پیدائش کا سنہ ۵۶۵ھ لکھا ہے، اس

[1] فوائد الفواد ص ۳۰ و سیر العارفین ص ۲۵، ۲۶ [2] ایضاً ص ۲۲۱ و سیر العارفین جلد اول ص ۴۴، و فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۵ [3] اخبار الاخیار ص ۲۰، ۲۰ سفینۃ الاولیاء ص ۱۹۵، مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۹،

لحاظ سے ان کی عمر سو سال سے زیادہ ہوتی ہے، مزار شریف ملتان مین ہے،

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی نہ کسی تصنیف کا پتہ ہے، اور نہ ملفوظات کا ذکر تذکرون مین ہے، مگر انھون نے اپنے مریدون کے لئے جو وصایا اور خطوط لکھے تھے، ان کو اخبار الاخیار نے نقل کیا ہے، ان سے اُن کی صوفیانہ تعلیمات پر روشنی پڑتی ہے، اس لئے ان کے اقتباسات ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہین

فرماتے ہین کہ بندہ پر واجب ہے، کہ سچائی اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اور اس کے عبادات و اذکار مین غیر اللہ کی نفی ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے احوال کو درست اور اقوال و افعال مین اپنے نفس کا محاسبہ کرے، ضرورت کے سوا نہ کوئی بات کہے، اور نہ کوئی کام انجام دے، ہر قول و فعل سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ سے التجا کرے، اور اس سے نیک عمل کی توفیق کی مدد چاہے،

دوسرے موقع پر اپنے مرید کو نصیحت فرماتے ہین، کہ تم اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کر لو، ذکر ہی سے طالب محب تک پہنچتا ہے، محبت ایسی آگ ہے جو تمام میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے، جب محبت راسخ ہو جاتی ہے تو مذکور کے مشاہدہ کے ساتھ ذکر حقیقی ذکر ہو جاتا ہے، یہی وہ ذکر کثیر ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے اس قول واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون مین فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے،

پھر فرماتے ہین کہ مرید کو چاہئے کہ اپنے روزگار کی حفاظت کرتا رہے، ماسوائے اللہ کو دل سے دور کر دے، دنیا کے لوگون کی صحبت کو اپنے اوپر حرام کر لے، اور حق تعالیٰ کی یاد مین مشغول رہے، اگر اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے موانست نہ ہوگی، تو خدائے تعالیٰ کی محبت کی بو بھی وہ نہ سونگھ سکے گا،

ایک نصیحت مین ارشاد فرمایا کہ بدن کی سلامتی قلت طعام مین اور روح کی سلامتی ترک گناہ مین اور دین کی سلامتی حضرت خیر الانام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے مین ہے،[1]

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا مریدون مین شیخ حسن افغان کو بہت ہی محبوب رکھتے تھے، وہ ان پڑھ تھے، مگر

[1] اخبار الاخیار ص ۲۷،

ان کا ظاہر و باطن روحانی تعلیم سے آراستہ تھا، ان کی بزرگی کا یہ حال تھا کہ ایک بار ایک کاغذ پر تین سطرین لکھ دی گئیں، جن مین ایک کلام پاک کی آیت تھی، ایک حدیث شریف اور ایک مین کسی شیخ کا قول منقول تھا، یہ کاغذ دکھا کر شیخ حسن افغان سے پوچھا گیا کہ کونسی سطر مین کیا چیز ہے، شیخ حسن افغان نے قرآن مجید کی سطر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ کلام ربانی ہے، اس کا نور مجھ کو زمین سے عرش معلی تک نظر آرہا ہے، احادیث شریف کی سطر پر انگلی رکھ کر کہا کہ یہ حدیث مقدس کی سطر ہے، اس کا نور ساتوین آسمان تک دکھائی دیتا ہے، پھر شیخ کے قول پر ہاتھ رکھکر کہا کہ اس کا نور زمین سے آسمان تک دیکھتا ہون، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دن بارگاہ الٰہی مین مجھ سے پوچھا جائے گا کہ ہماری بارگاہ مین کیا کمائی لایا ہے تو مین عرض کرون گا کہ میری کمائی حسن افغان ہے[۱]،

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مریدون مین امیر حسینی اور شیخ فخر الدین عراقی بھی خاص طور پر ذکر کے لائق ہین،

امیر حسینی امیر حسینی کا نام نفحات الانس[۲] مین حسین بن عالم بن ابی الحسین، تذکرۂ دولت شاہ[۳] مین حسین بن عالم بن الحسن الحسینی، تاریخ فرشتہ مین صرف امیر حسین بن نجم الدین[۴]، شاہ اودھ کے کتب خانہ کے کیٹلاگ مین امیر کبیر الدین حسینی بن عالم بن ابو الحسین حسینی[۵] ہے، مگر سیر العارفین مین پورا نام شیخ صدر الدین احمد بن نجم الدین المعروف بہ سید حسین[۶] ہے، معلوم نہین سیر العارفین کے مولف نے اتنے مختلف نام کیون تحریر کئے ہین، ممکن ہے یہ القاب ہون، وہ غور کے ایک گاؤن کنزیو کے رہنے والے تھے، پھر بعد مین ہرات مین سکونت پذیر ہو گئے تھے، اس لئے نام کے ساتھ ہروی بھی پایا جاتا ہے، تذکرۂ دولت شاہ اور

---

۱ سیر العارفین ص ۲۶ و فرشتہ جلد دوم ص ۴۱۳ ۲ نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین ۳ تذکرۂ دولت شاہ ص ۲۲۲ ۴ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۷ ۵ کیٹلاگ ہذا ص ۴۳۰، ۶ سیر العارفین جلد اول ص ۲۵،

آتشکدہ مین ہے، کہ وہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید تھے، مگر یہ صحیح نہین،

نفحات الانس مین ہے :-

"از کتاب وے کنز الرموز چنان متبادر می شود، کہ وی مرید شیخ بہاء الدین زکریاست"

اگرچہ اس کے بعد نفحات الانس کے مؤلف ملا عبد الرحمٰن جامی یہ بھی تحریر فرماتے ہین، کہ بعض کتابون مین یہ بھی پایا جاتا ہے کہ امیر حسینی شیخ ابو الفتح رکن الدین بن شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین زکریا کے مرید تھے، مگر اس سلسلہ مین سیر العارفین کے مولف کا واضح بیان ہے، شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر مین ہے کہ

"ایک مرید منجملہ مریدان صادق العمل والقول کے شیخ صدر الدین احمد بن نجم الدین ہروی بھی ہین، جو سید حسین کے نام سے بھی مشہور و معروف ہین، ان کی تصنیفات نثر و نظم مین بکثرت مقبول و مشہور عام و خاص ہین، نثر مین نزہت الارواح اور طرب المجالس اور نظم مین زاد المسافرین اور کنز الرموز بمقام متبرک ملتان شیخ بہاء الدین کی خدمت مین رہ کر وہین تصنیف کین، اور شیخ بہاء الدین نے کتب مذکورہ کا مطالعہ بغور فرما کر مصنف کی تحسین و آفرین کی، اور وہ سوالات بھی جو شیخ محمود تستری سے کئے تھے، اور تستری مرحوم نے ان کے جوابات مین نسخۂ گلشن راز تصنیف کیا، سید حسین کی تصنیف مین سے ہین، چنانچہ اپنے زمانہ مین نواحی خراسان مین علم معرفت و طریقہ، درویشی مین سید صاحب بے نظیر و بے ہمتا گذرے ہین، اور ریاضت عظیم فرماتے تھے، اول مرتبہ ملتان مین اپنے پدر بزرگوار سید نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ہمراہ بر سبیل تجارت آئے تھے، اور بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت مین فیض یاب ہوتے، لیکن بوجہ زعم علم و کمال مرید نہ ہوئے تھے، مگر وفات پدر بزرگوار دفعۃً ترک تعلق

دنیا سے دنی کرکے آزادی اور خداطلبی اختیار کی، اور اپنا تمام مال و اسباب فی سبیل اللہ مساکین و فقرا پر ایثار کرکے ملتان آئے اور بصدق عقیدت شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ روحہ کے مرید ہوگئے، اور تین برس تک پیر کی خدمت میں رہ کر بڑی بڑی ریاضتیں کرکے کمالات و کرامات سے مالا مال ہوگئے، مزار متبرک سید صاحب کا موضع ہری میں واقع ہوا اس دیار کے لوگ ان کی زیارت کے واسطے دوشنبہ کے دن جایا کرتے ہیں، حق یہ ہے کہ مرقد منور ان کا زائرون کے جسم بے جان میں روح تازہ بخشتا ہے، تعجب دلکشا اور جانفزا مقام ہے، جن ایام میں یہ ضعیف جمالی مقام ہری میں پہنچا تھا، اس وقت مولانا عبد الرحمن جامی اور مولانا عبد الغفور قدس اللہ سرہ العزیز بھی سید صاحب کی زیارت کے واسطے تشریف لائے تھے، بعد حصول زیارت ہم سب نے مل کر نماز ظہر و عصر کی اس جگہ پر ادا کی تھی، اور بہت کچھ فیض حاصل کیا تھا[1]"

نفحات الانس میں ہے کہ امیر حسینی نے ۱۰ شوال ۷۱۸ھ میں وفات پائی، تذکرہ دولت شاہ میں سنہ وفات ۷۱۵ھ ہجری ہے، مگر اودھ کے کتب خانہ کے کٹیلاگر اسپرنگر کا بیان ہے کہ ان کی تصنیف زاد المسافرین میں حسب ذیل شعر درج ہے،

در ہفت صد و بست و نہ ز ہجرت گشت آخر این کتاب خدمت[2]

اس لحاظ سے وہ ۷۲۹ھ تک بقید حیات تھے، ان کے علمی تجر کے ان کے معاصرین بھی معترف تھے، چنانچہ ان کے ظاہری و باطنی علوم کی وجہ سے شیخ فخر الدین عراقی اور شیخ اوحدی ان کو بہت عزیز رکھتے تھے[3]

---

[1] سیر العارفین اردو ترجمہ جلد اول ص ۲۷ [2] فہرست کتب خانہ شاہ اودھ ص ۳۰۴، [3] تذکرہ دولت شاہ ص ۲۲۴،

تذکرہ دولت شاہ میں ان کی مدح سرائی ان الفاظ میں کی گئی ہے،

"سالک مسالک دین و عارف اسرار یقین است و در کشف رموز حقائق و دقائق کنز معانی بودہ و در فضیلت و علوم جنید ثانی، خاطر پر نور او گلشن راز و طوطی نطق او عندلیب خوش آواز" (ص ۲۲۲)

ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-

(۱) نزہت الارواح (۲) الارواح (۳) صراط مستقیم (۴) طرب المجالس (۵) زاد المسافرین (۶) کنز الرموز (۷) دیوان، نزہت الارواح کے قلمی نسخے برٹش میوزیم میں موجود ہیں، (دیکھو کٹیلاگ جلد اول ص ۴۰) زاد المسافرین کے نسخے برٹش میوزیم[1] کے علاوہ کتب خانہ شاہ اودھ میں بھی ہیں، کنز الرموز، الارواح اور صراط مستقیم کا ذکر بھی موخر الذکر کتب خانہ کی فہرست میں ہے،[2]

امیر حسینی کے دیوان کے متعلق مولانا عبد الرحمن جامی رقمطراز ہیں، کہ

"مرا در دیوان اشعار است بغایت لطیف"[3]

میری نظر سے مذکورۂ بالا کتابیں نہیں گذری ہیں، مگر مختلف کٹیلاگوں میں ان پر جو تبصرہ ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان تمام تصنیفات کا موضوع معرفت اور سلوک و طریقت ہے، زاد المسافرین کا ایک طویل اقتباس تذکرۂ دولت شاہ اور آتشکدہ میں ہے جس کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں، تاکہ شیخ امیر حسینی کی صوفیانہ تعلیم کے ساتھ ان کی شاعری کے طریقۂ بیان اور طرز ادا کا بھی اندازہ ہو جائے،

این طرفہ حکایتیت بنگر روزے مگر از قضا سکندر[4]

---

[1] کٹیلاگ فارسی مخطوطات برٹش میوزیم جلد دوم ص ۶۰۸ [2] فہرست کتب خانہ شاہ اودھ (ص ۳۰۴) [3] نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین [4] آتشکدہ میں یہ مصرع اس طرح ہے :-

ع روزے ز قضا مگر سکندر

می رفت و ہمہ سپاہ با او صد حشمت و مال و جاہ با او[1]

ناگہ بخرابہ گذر کرد پیرے ز خرابہ سر بدر کرد

پیرے کہنہ کآفتاب پر نور در چشم سکندر آمد از دور

پرسید کہ این چہ شاید آخر این کیست کہ می نماید آخر

در گوشۂ این مغاک دلگیر بیہودہ نہ باشد این چنین پیر

چون راند بدان مغاک چون گور[2] پیر از سر وقت خود نہ شد دور

چون باز نہ کرد سوے او چشم پرسید سکندرش بصد خشم

گفت اے شدہ غول این گذرگاہ غافل چہ نشستۂ درین راہ

بہرچہ نکردی احترامم آخر نہ سکندر ست نامم

دانی کہ منم بہ بخت فیروز پشت ہمہ روے عالم امروز

دریا دل و آفتاب رایم فرق فلکست زیر پایم

پیر از سر وقت بانگ بر زد گفت این ہمہ نیم جو نیرزد

نہ پشت نہ روے عالمی تو یکدانہ ز کشت آدمی تو

دوران فلک کہ بے شمار است ہر ساعتش از تو صد ہزار ست

نہ غول و غافلم درین کوی ہشیار تر از توام بصد روی

اندر روز ببین چو آگہم من چون منتظر آن درین رہم من

غافل تو ئی کز برائے بیشی مغرور دو روزہ عمر خویشی

چون آخر کار ہا جدائیست با خلق مرا چہ آشنائیست[3]

دو بندۂ من کہ حرص و آزند بر تو ہمہ روز سر فرازند

[1] آتشکدہ آن حشمت [2] آتشکدہ از بران مغاک پر نور [3] یہ شعر تذکرہ دولت شاہ مین نہین ہے،

با من چہ برابری کنی تو چون بندۂ بندۂ منی تو

گریان شد ازین سخن سکندر بفگند کلاہ شاہی آذر

از خجلت خود نفیر می زد سر بر کف پائے پیر می زد

پیر از سر حال رہ نمودش کاندر ہمہ وقت یاد بودش

آتشکدہ مین کچھ اور اشعار بھی منقول ہین، مثلاً

بخدا کہ دردمندم ز غم فراق یارا نہ خلاف گوید آنکس کہ حکم کند خدارا

اے سایہ تو مرد صحبت نورئہ رو ماتم خود گیر کزین سور نۂ

اندیشہ وصل آفتابت نرسد می سازبایں قدر کز او دور نۂ[1]

کنز الرموز مین ابن حسینی نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے فرزند ارجمند شیخ صدر الدین کی مدح مین جو اشعار کہے ہین، ان مین سے کچھ یہان پر نقل کیے جاتے ہین،

شیخ ہفت اقلیم قطب اولیا واصل حضرت ندیم کبریا

مفخر ملت بہاء شرع و دین جان پاکش منبع صدق و یقین

از وجود او بہ نزد دوستان جنت المادی شدہ ہندوستان

منکہ رو از نیک و از بد تافتم این سعادت از قبولش یافتم

رخت ہستی چون برون بر از میان کرد پرواز ہما بر آشیان

آن بلند آوازۂ عالم پناہ سرور عصر افتخار صدرگاہ

صدر دین و دولت آن مقبول حق نہ فلک بر خوان جودش یک طبق[2]

شیخ فخر الدین عراقی کا ذکر آیندہ صفحات مین کیا جائے گا، (باقی)

[1] آتشکدہ ص ۱۲۱، [2] نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین، و فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۶،

سلطان قطب الدین ایبک کا مقبرہ

از

جناب محمد شجاع الدین صاحب ایم اے پنجاب یونیورسٹی ریسرچ اسکالر

تھے بسکہ دل پذیر محبت کے واقعات کچھ کچھ وہ اب بھی یاد مجھے ہیں جو سب نہیں

ہندوستان کی تاریخ مین سلطان قطب الدین ایبک الغازی کو جو اہمیت حاصل ہے، وہ محتاج شرح نہیں، اگرچہ سندھ اور ملتان ۹۲ھ ۷۱۲ء مین غازی محمد بن قاسم کے مساعی سے، اور گیارہوین صدی عیسوی کے آغاز مین پنجاب سلاطین غزنی کی کوشش سے مسلمان حاکمون کے زیرنگین آگئے تھے، اور ایبک کے دور تک ان علاقون مین اسلامی تہذیب وتمدن اوج کمال پر پہنچ چکے تھے، لیکن اس امر کا سہرا ایبک ہی کے سر ہے کہ اسنے ہندوستان کے مرکزی شہر دہلی کو دار السلطنت قرار دیکر ہر قسم کے بیرونی دباؤ سے آزاد اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی، اسی لئے مورخ اُسے ہندوستان کا پہلا مسلمان فرمانروا قرار دیتے ہین،

ایبک کی ابتدائی زندگی

ایبک کی زندگی قدرت کی نیرنگیون کا نمونہ اور اس کا مطالعہ نہایت دلچسپ ہے، ترکستان کی مردم خیز سرزمین مین کتم عدم سے عالم وجود مین آیا، ہمین اس کے آبا واجداد کے متعلق کچھ معلوم نہین، لیکن اس کی فرشتہ سیرتی، نیک نیتی، علم دوستی اور کامیاب زندگی کے پیش نظر یہ اندازہ لگانا خلاف حقیقت نہ ہوگا، کہ وہ کسی اچھے خاندان کا چشم وچراغ تھا، باد حوادث کے تھپیڑون نے بچپن ہی مین اُسے والدین کے آغوش سے جدا کر دیا، اور بردہ فروشون نے اُسے خراسان کے مشہور شہر

نیشاپور کے قاضی فخر الدین[۱] کوفی کے ہاتھ فروخت کر دیا، قاضی صاحب کے ہان ان کے لڑکون کی معیت مین ایبک نے حصول تعلیم کے علاوہ شہسواری اور تیراندازی بھی سیکھ لی،

باپ کی رحلت کے بعد قاضی زادون نے اسے فروخت کر دیا، اور صدف ترکستان کے اس درخشان موتی کو ایک تاجر نے خرید کر سلطان معز الدین سام کی بارگاہ مین پیش کیا،

قطب الدین ایبک کی بہادری، جرأت، وفاداری اور حسن عمل نے اسے جوہر شناس آقا کی آنکھ کا تارا بنا دیا، اسلام کے مجلسی نظام کی خوبی ملاحظہ ہو کہ رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے یہ غریب الوطن غلام اپنی خداداد قابلیت سے سلطان کے ہندی مقبوضات کا نائب السلطنت مقرر ہوگیا،

قطب الدین ایبک ہندوستان مین

ایبک ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء سے ۶۰۲ھ ۱۲۰۶ء تک نائب السلطنت کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہا، اس دوران مین اسکی اور بختیار خلجی وغیرہ ماتحت جرنیلون کی جانفشانی سے مشرق مین بنگال تک اور جنوب مین کالنجر اور گوالیار تک تقریباً تمام شمالی ہند فتح ہوگیا، اس فقید المثال کامیابی کے باوجود وہ شاہراہ وفاکیشی پر اسی مستقل مزاجی سے گامزن رہا، اور اپنے ولی نعمت کی اطاعت گذاری کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا،

میدان کارزار کے کارنامون اور رعایا پروری اور معدلت گستری دونون مین ہماری ملت کا یہ نامور فرزند ہر امر مین اپنی مثال آپ تھا،

تاریخ مین بہت کم مثالین ایسی ملین گی کہ ایک فرمانروا کو بیک وقت عدیم المثال فاتح یکتائے روزگار منتظم، ہردل عزیز عادل اور علم وادب کے بے نظیر سرپرست کی حیثیت سے پیش کیا جا سکے، ان حیثیتون سے سلطان قطب الدین ایبک ہندوستان کے ان اہم ترین حکمرانون مین تھا، جس کے

---

[۱] تاریخ فخر الدین مبارک شاہی (مطبوعہ لندن ۱۹۲۷ء) ص ۲۱، وطبقات ناصری انگریزی ترجمہ از میجر ایچ، جی، ریورٹی جلد اول ص ۵۱۳،

کارنامے تاریخ کے اوراق پر رہتی دنیا تک مہر و ماہ کی طرح چمکتے رہیں گے،

ایبک کی ولی عہدی اور تخت نشینی

سلطان معز الدین سام کو ایبک کی وفا کیشی اور جان نثاری کا کما حقہ احساس تھا، چنانچہ جب ۶۰۲ھ مطابق ۱۲۰۶ء میں سلطان آخری بار وارد پنجاب ہوا تو غالباً فروری ۱۲۰۶ء کے موسم بہار میں لاہور میں ایک دربار منعقد کیا جس میں ایبک کو ملک کا خطاب عطا کر کے ہندوستان میں اپنا ولی عہد مقرر کیا، ہم عصر مؤرخ فخر مدبر المعروف فخر الدین مبارک شاہ صدیقی لکھتا ہے[۱]

"این پہلوان و جہاندار ہندرا ملک خطاب فرمود، و ولی عہد ہند کرد"

اس جشن کے بعد سلطان نے ایبک کو دہلی روانہ کیا، اور خود غزنی کی راہ لی، لیکن جہلم کے قریب دمیک کے مقام پر بتاریخ ۳ شعبان ۶۰۲ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۲۰۶ء کو کھوکھروں کے ہاتھوں مارا گیا،[۲]

جب ملک قطب الدین ایبک نے اپنے محسن کی المناک شہادت کی خبر سنی تو اسے بہت صدمہ ہوا، لیکن اس نے مصلحت وقت کے پیش نظر اپنے آپ کو سنبھالا، اور رسم تخت نشینی کی ادائیگی کے لئے لاہور کا رخ کیا، راستے میں شدت گرما، اور پانی کی قلت کی بنا پر اسے اور اس کے ہمراہیوں کو بہت تکلیف ہوئی، لاہور پہنچ کر تمام امراء اور رعایا کے متفقہ تعاون سے اس نے تاج شاہی زیب سر کیا، جشن اورنگ نشینی بروز شنبہ بتاریخ ۱۸ ذی قعدہ ۶۰۲ھ (مطابق ۲۷ جون ۱۲۰۶ء) نہایت تزک و احتشام سے منعقد ہوا،

یلدوز کا پنجاب پر حملہ

ایبک کے زیر حکومت ہندوستان کی مغربی سرحد سے بنگال تک اور جنوب میں سندھ، کالنجر اور گوالیار تک کا وسیع علاقہ تھا، جو تقریباً اسی کی مساعی سے تسخیر ہوا تھا، سلطان محمد غوری کے بھتیجے غیاث الدین محمود والی غور نے قطب الدین ایبک کو ہندوستان کا حکمران تسلیم کر لیا، لیکن تاج الدین یلدوز کو یہ امر ایک آنکھ نہ بھایا، کہ ایبک بلا شرکت غیرے اس عظیم الشان سلطنت کا حاکم بن جائے، یہ شخص بھی سلطان محمد غوری کا غلام تھا، اور آقا کی وفات کے بعد غزنی اور اس کے نواح کا حاکم بن گیا تھا، باوجودیکہ

۱ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ صفحہ ۲۰ ۲ ایضاً ص ۱۲،

ایبک اس کا غلام تھا، لیکن جوع الارض اور حکومت کی خواہش نے اس تعلق کو بھی فراموش کرادیا، اور یلدوز نے یہ ٹھان لی، کہ ایبک سے کم از کم پنجاب ضرور چھین لے، کیونکہ محض غزنی اور اس کے نواح کا حکمران ہونے سے اس کی سیاسی اہمیت کچھ نہ تھی، اور اس کی اقتصادی حالت بھی بہت ہی خراب تھی، چنانچہ جشن تخت نشینی سے فارغ ہونے کے بعد جب ایبک دہلی چلا گیا، تو یلدوز نے میدان خالی پا کر پنجاب پر حملہ کر کے لاہور پر قبضہ کر لیا،[۱]

ایبک یہ خبر سن کر ایک لشکر جرار کے ہمراہ پنجاب پہنچا، اور یلدوز کو شکست دے کر نہ صرف اسے اپنی مملکت سے نکال دیا، بلکہ غزنی پر بھی قبضہ کر لیا، اور یلدوز کو کرمان میں پناہ گزین ہونا پڑا، غزنی پر چالیس روز تک ایبک کا قبضہ رہا، اس کامیابی پر ایبک قدرے غافل ہو گیا، اور اسے دشمن کے دوبارہ حملہ کا احساس باقی نہ رہا، غزنی کے ترک امراء نے اس کے خلاف سازش کر دی، اور یلدوز نے موقع پا کر حملہ کر دیا، ایبک اس کے لئے تیار نہ تھا، اس لئے اُسے اپنے ہمراہیوں سمیت پنجاب کی طرف پسپا ہونا پڑا، اس واقعہ کے بعد وہ بہت محتاط ہو گیا، اور ایک بڑی فوج کے ساتھ لاہور میں اقامت اختیار کی، تاکہ اگر پھر یلدوز پنجاب پر یلغار کرے، تو اس کا آسانی سدباب ہو سکے،

ایبک کے عہد کا لاہور

اس موقع پر اس دور کے لاہور کی سیاسی اہمیت کا تذکرہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، اگرچہ محمود غزنوی نے کالنجر اور سومنات تک کا علاقہ فتح کر ڈالا تھا، لیکن صرف پنجاب ہی کو اس نے اپنی سلطنت کا باقاعدہ جزو بنایا، غزنوی دور میں ہندو راجاؤں کے جوابی حملوں کے تدارک کے لئے لاہور اور دوسرے مقامات پر کافی فوج رکھی جاتی تھی، اس لئے فوجی اور ملکی شعبوں میں ملازمت کے سلسلہ میں بہت سے مسلمان خاندان لاہور میں آکر آباد ہو گئے تھے، ان کے علاوہ اسلامی ممالک سے بہت سے مسلمان تجارت، حصول معاش اور تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں یہاں آگئے تھے، علماء کی کوششوں سے

۱ طبقات ناصری (انگریزی ترجمہ) جلد اول صفحہ ۵۰۷-۱۳۵، تاریخ فرشتہ (نولکشور ایڈیشن)، ص ۶۳،

مقامی آبادی کا بہت سا حصہ دائرۂ اسلام میں آگیا، اور یہاں ایک اسلامی جماعت عالم وجود میں آئی، غزنویوں کے زیر سایہ پونے دو سو سال تک اسلامی تہذیب یہاں بتدریج ترقی کرتی رہی، اس دور میں یہاں بے شمار علما، صلحاء، صوفیاء اور شعراء رونق افروز تھے، اسی زمانہ کے علماء میں سید اسمٰعیل محدث، مفسر (المتوفی ۴۴۸ھ مطابق ۱۰۵۶ء) سید حسین زنجانی، (المتوفی ۴۳۱ھ مطابق ۱۰۴۰-۱۰۳۹ء) سید علی ہجویری (المتوفی ۴۶۵ھ) قابل ذکر ہیں، شعراء میں استاد ابوالفرج رونی اور مسعود سعد سلمان (المتوفی ۵۱۵ھ مطابق ۱۱۲۱ء) کے نام قابل ذکر ہیں، اس زمانہ میں آبادی کی وسعت، علم و ہنر کی رونق اور صنعت و حرفت کے اعتبار سے لاہور سلطنت غزنویہ میں غزنی کے بعد دوسرے درجہ پر شمار کیا جاتا تھا، اور اسے مرکز اسلام ہند[1] خیال کیا جاتا تھا، سلطان محمد غوری اور ایبک کے زمانہ میں بھی لاہور کی یہ اہمیت قائم رہی، گو شمالی ہند کی فتح کے بعد دہلی کو ہندوستان کا مرکزی شہر ہونے کی وجہ سے دارالسلطنت مقرر کیا گیا، لیکن تمام شاہی جشن لاہور ہی میں منعقد ہوا کرتے تھے، ایبک کے جانشینوں کے عہد میں رفتہ رفتہ لاہور کی یہ تمدنی اور سیاسی اہمیت کم ہوتی گئی، حتی کہ اسلامی تمدن اور تہذیب کا یہ مرکز جہاں سوا دو سو سال تک ہزارہا علماء و فضلاء، علوم و فنون کی ترویج و اشاعت میں مشغول رہے، تیرہویں صدی عیسوی میں چنگیزی منگولوں کی تاخت کا ہدف بن گیا، اور اس کی تمام رونق، اہمیت اور شان و شوکت مٹی میں مل گئی،

بہرکیف ایبک کے عہد میں لاہور علماء و حکماء کا مسکن اور مرکز اسلام ہند تھا، اور جیسا کہ سطور بالا میں بیان ہو چکا ہے، یلدوز کے ساتھ جنگ کے بعد ایبک نے لاہور ہی میں اقامت اختیار کی،

ایبک کی وفات

قرون وسطیٰ میں مسلمان سلاطین اور امراء میں چوگان کا کھیل بہت مقبول تھا، اس زمانہ کے دستور کے مطابق ایبک بھی اس کا بے حد دلدادہ تھا، اور لاہور کے دوران اقامت میں بھی جب اس کو امور سلطنت سے فراغت حاصل ہوتی، تو لمحات فرصت میں اس سے جی بہلایا کرتا تھا،

[1] تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ص ۳۰،

۶۰۷ھ مطابق ۱۲۱۰ء میں ایک روز ایبک حسب معمول چوگان کھیل رہا تھا، کہ ایک مہلک حادثہ کا شکار ہو گیا،

صاحب تاج المآثر[1] لکھتا ہے کہ

"کھیلنے کے دوران میں جب کہ گھوڑا تیزی سے دوڑ رہا تھا، ذات ہمایون از بالائے خنگ کوہ مثال نگون بر خاک میدان افتاد" جس وقت سلطان گھوڑے سے زمین پر گرا تو گھوڑا بھی لڑکھڑا کر اس کے اوپر گر پڑا، اور زین کا اگلا بڑھا ہوا حصہ جو لوہے کا بنا ہوا ہوتا ہے، اس کے سینہ میں لگا، اس کے صدمہ سے ملت اسلامیہ کے اس جلیل القدر فرزند کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی،

منہاج السراج لکھتا ہے:-

"در میدان گوے زدن از اسپ خطا کرد[2] اسپ بر زبر او آمد، چنانچہ جیش کوہۂ زین بر سینۂ مبارک او آمد، برحمت حق تعالیٰ پیوست"

قطب الدین ایبک جیسے ہر دلعزیز سلطان کی اس اچانک اور ناگہانی موت نے لاہور کی عام

[1] تاج الدین محمد بن حسن نظامی نیشاپوری نظامی عروضی صاحب "چہار مقالہ" کے فرزند تھے، ایبک کے عہد حکومت میں وارد ہندوستان ہوئے، "تاج المآثر" ان کی بے بہا تالیف ہے، جو کہ ایبک کے عہد حکومت کی تاریخ کا اہم عصری ماخذ ہے، یہ کتاب ابھی تک طبع نہیں ہوئی ہے، اس کے چند خطی نسخے برٹش میوزیم لائبریری میں ہیں، جن میں سے ایک کی روٹو گراف کاپی پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں موجود ہے، اس مضمون کے سلسلہ میں اسی سے استفادہ کیا گیا ہے، (تاج المآثر فولیو ۸۵)

[2] طبقات ناصری رائل سوسائٹی اڈیشن ص ۱۴۱، ۱۴۰،

آبادی کے دل پر جو اثر کیا ہوگا، وہ محتاج بیان نہین، اس مرد مجاہد کے سانحۂ ارتحال نے رعایا مین سنسنی پھیلا دی، اور بلا امتیاز مذہب و ملت تمام لوگ اس غم مین برابر کے شریک تھے، اور اس کے جنازے مین لاہور کے تمام اعیان و اکابر، علماء و فضلاء اور عوام شریک ہوئے، اور لاہور ہی مین اُسے سپرد خاک کر دیا گیا، صاحب تاج المآثر رقم طراز ہے کہ

"ذات معظم و شخص مکرم شہریار روے زمین در خطۂ لوہور کہ مقصد صغار و کبار و مزار اخیار و ابرار است، چون گنج در شکم خاک دفین گشت و سر وخمۂ ہمایون و تربت مبارک از اوج گنبد گردان و شرف قصر کیوان بگذشت"[1]

بر داشت ز خاک عالمے را　　　　در خاک نہاد روزگارش

ایبک کی نیک نفسی، عادلانہ حکومت اور اچانک موت کے سبب وفات کے بعد اس کی ذات اور بھی مقبول انام ہو گئی، محمد عوفی لباب الالباب[2] مین اس کا ذکر نہایت اچھے الفاظ مین کرتا ہے، اور سلطان شہید کے لقب سے ملقب کرتا ہے،

ایبک کے جانشین ایبک کی اچانک موت سے ملک مین طوائف الملوکی پھیل جانے کا خدشہ تھا، اس لئے مقامی امرا نے فوراً لاہور مین آرام شاہ کو تخت حکومت پر بٹھا دیا[3]، امراے دہلی نے اس فیصلہ کو قبول نہ کیا، اور سپہ سالار علی اسماعیل نے دوسرے امرا کے ایما سے التتمش کو بدایون سے بلا کر تاج شاہی اس کے سر پر رکھ دیا، شمس الدین التتمش ایبک کا غلام تھا، اور اس وقت حکومت بدایون پر فائز تھا،

اس وقت تخت شاہی کے تین دعویدار تھے، دہلی مین شمس الدین التتمش، لاہور مین آرام شاہ

[1] تاج المآثر فولیو نمبر ب ۸۶ [2] جلد اول ص ۱۸۸، ۱۱۵ (چونکہ سلطان اچانک ایک ہولناک حادثہ کا شکار ہوا اس لئے اسے سلطان شہید کہا گیا ہے، نص شرعی کے مطابق بھی ایسی موت شہادت حقی قرار دی گئی ہے) [3] طبقات ناصری (جلد اول ص ۴۰۵)

اور سندھ مین ناصر الدین قباچہ، بنگال مین خلجی ملک برسر اقتدار تھے،

ناصر الدین قباچہ بھی ایبک کا غلام تھا، سندھ، ملتان اور اُچ وغیرہ کے علاقے اس کے زیر حکومت تھے، اور مرحوم سلطان کی دو لڑکیاں یکے بعد دیگرے اس کے نکاح مین آ چکی تھین، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آرام شاہ کون تھا، متاخرین اُسے سلطان شہید کا فرزند بتاتے ہین، ہم عصر مورخین مین سے طبقات ناصری مین[1] آرام شاہ کے ذکر کے عنوان مین اسے ایبک کا فرزند ہی ظاہر کیا گیا ہے، لیکن اس کے حال مین کہین یہ نہین لکھا ہے کہ وہ سلطان مرحوم کا فرزند تھا، بلکہ اس کی اولاد کے ذکر مین صرف تین لڑکیون ہی کا حال ہے، جن مین سے دو قباچہ کے ساتھ بیاہی گئین، اور ایک التتمش کے ساتھ، اس سے خیال پیدا ہوتا ہے، کہ شاید آرام شاہ ایبک کا بیٹا نہ تھا، ہو سکتا ہے کہ منہاج السراج نے التتمش کے زیر سایہ تاریخ لکھنے کے سبب اس امر کا ذکر زیادہ نمایان کر کے نہ لکھا ہو،

قباچہ نے تخت سلطنت کا دعویٰ ایبک کا داماد ہونے کی حیثیت سے کیا تھا، اس کے اس دعوی کا مقابلہ کرنے کے لئے التتمش نے بدایون سے دہلی آ کر اورنگ نشین ہونے کے ساتھ ہی ایبک کی تیسری لڑکی سے شادی کر لی، جو اُس وقت دہلی مین مقیم تھی، اب قباچہ اور التتمش دونون جہان تک سلطان شہید سے رشتہ کا تعلق تھا برابر ہو گئے، اس لئے خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آرام شاہ ایبک کا فرزند ہوتا، تو اس کی موجودگی مین قباچہ اور التتمش کا محض داماد سلطان ہونے کی حیثیت سے حکومت کا دعویدار بننا بے کار ہوتا،

اب سوال یہ ہے کہ اگر آرام شاہ سلطان کا لڑکا نہین تھا تو کون تھا، اور سلطان مغفور سے اس کا کیا رشتہ تھا؟ کہ امراے لاہور نے سلطان کے فوت ہوتے ہی اسے اپنا فرمانروا مان لیا، اگر وہ فرزند نہین تھا، تو اس کا منہ بولا بیٹا ہوگا، او ترکی امرا یا ترکی غلامون مین سے ہوگا!

[1] طبقات ناصری (انگریزی ترجمہ) جلد اول ص ۵۲۹-۳۰ (فارسی ٹیکسٹ) صفحہ ۱۴۱

عام تاریخون مین بتایا جاتا ہے، کہ چونکہ آرام شاہ نالائق تھا، اس لئے امراء نے تنگ آکر التمش کو تاج شاہی پہنا دیا، لیکن یہ بات ہم عصر مورخ منہاج السراج کی تحریرون کی روشنی مین صریحاً غلط معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جیسے ہی ایبک کی وفات اور آرام شاہ کی تخت نشینی کی خبر دہلی پہنچی، امرائے دہلی نے التمش کی طرف میلان کا اظہار کر دیا، انھین آرام شاہ کی نالائقی یا لیاقت دیکھنے کا موقع ہی کب ملا، آرام شاہ نے التمش کی بغاوت فرو کرنے کے لئے دہلی کا رخ کیا، دہلی کے باہر دونون کا مقابلہ ہوا، آرام شاہ کو شکست ہوئی اور ہندوستان کی قسمت کا مالک التمش بن گیا،

یلدوز کا خاتمہ | اس انقلاب کی وجہ ملک تاج الدین یلدوز کو ملی، تو اس نے اس سنہری موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہا، اور پنجاب پر حملہ کر دیا، اس وقت آرام شاہ التمش سے جنگ کے لئے دہلی گیا ہوا تھا، اس لئے یلدوز باسانی لاہور پر قابض ہو گیا، آرام شاہ کا قلع قمع کرنے اور دہلی مین قدم جمانے کے بعد التمش ایک جرار لشکر کے ہمراہ عازم پنجاب ہوا، دونون لشکرون کا آمنا سامنا ترائن کے مقام پر ہوا، دو روز تک معرکہ کارزار گرم رہا، حریفین کے بہادرون نے مردانگی کے جوہر دکھائے، لیکن یلدوز کو شکست ہوئی، اور وہ گرفتار کر لیا گیا، اس فتح سے سلطان التمش کے راستے سے ایک اور کانٹا نکل گیا، اور اس کی پوزیشن اور بھی مضبوط ہو گئی، یلدوز کو بدایون مین نظربند کر دیا گیا، جہان اس نے اپنی عمر کا بقیہ حصہ گذارا[۶۲]، اور پس مرگ اسی خاک کا پیوند بنا، تخت نشینی سے لیکر یلدوز کی گرفتاری تک جو ۶۱۲ھ مطابق ۱۲۱۵ء کا واقعہ ہے، التمش سیاسی مخالفون کا قلع قمع کرنے اور اپنی حکومت کے استحکام مین مشغول رہا، اور یلدوز کی گرفتاری کے بعد پنجاب اور شمالی ہندوستان مین اس کا اقتدار مسلم ہو گیا؛

---

۶۱ طبقات ناصری (انگریزی ترجمہ) جلد اول ص ۵۳۰، ۶۰۵ (فارسی) ص ۱۷۰، تاریخ مبارک شاہی از یحیی سہرندی (ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ایڈیشن) ص ۱۶، ۶۲ طبقات ناصری ص ۱۷۱، تاریخ مبارک شاہی ص ۱۶،

مقبرہ کی تعمیر | ایبک کی وفات کے بعد اب پہلی مرتبہ التمش کو لاہور آنے اور اس کی قبر پر حاضر ہونے کا موقع ملا، التمش سلطان مرحوم کا صرف سیاسی جانشین ہی نہ تھا، بلکہ اس کا غلام اور داماد بھی تھا، اس سے قبل سیاسی فضا متلون ہونے کے سبب سے آرام شاہ، التمش اور دوسرے کسی امیر کو سلطان مغفور کے مقبرے کی تعمیر کا موقع نہ ملا تھا، لیکن اب التمش نے اپنے آپ کو قطب الدین ایبک کا صحیح جانشین اور وفادار غلام ثابت کرنے اور اپنے تیسرے حریف ناصر الدین قباچہ حاکم سندھ سے بازی لے جانے کے لئے سلطان کی قبر پر مقبرے کی تعمیر کا حکم دیا،

یحیی سہرندی صاحب تاریخ مبارک شاہی لکھتا ہے:-

"سلطان مغفور شمس الدین التمش خطیرہٴ اورا بنا کردہ است"[۶۳]

یہ امر نہایت افسوسناک ہے کہ قدیم فارسی مورخین جہان جنگ و جدل کی داستانون کے بیان مین ورق کے ورق سیاہ کر دیتے ہین، وہان اپنے زمانہ کے تمدن پر بہت کم روشنی ڈالتے ہین، اور جہان کہین قیام مدارس، تعمیر عمارات یا لوگون کی معاشرت کے متعلق کچھ لکھا بھی ہے، تو محض ضمنی طور پر، اسی لئے تمام ہم عصر تاریخی اور ادبی کتابون مین سلطان شہید کے مقبرے کی تعمیر یا عمارت کی تفصیل کے متعلق کوئی حالات دستیاب نہین ہوئے، لیکن قرینہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ سلطان کے مرقد پر عالیشان مقبرہ تعمیر کرایا گیا ہوگا، کیونکہ اس وقت فن تعمیر کافی ترقی کر چکا تھا، اور ہندوستان کے ان ترک سلاطین نے اسی دور مین دہلی اور اجمیر مین قطب مینار، مسجد قوت الاسلام اور مسجد اڑھائی دن کا جھونپڑا وغیرہ جیسی نادرِ روزگار عمارتون کی بنیاد ڈالی تھی، جو آج تک زائرین سے خراج تحسین وصول کر رہی ہین،

دوسرے التمش کو اپنے آپ کو ایبک کا قباچہ سے زیادہ مناسب اور اہل جانشین ثابت کرنا تھا، اس لئے عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے اور ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لئے مقبرے کی عمارت کو

---

۶۳ تاریخ مبارک شاہی (فارسی) ص ۱۵، انگریزی ترجمہ از کے باسو صاحب ص ۱۶،

خاص اہتمام اور نہایت عمدگی سے بنایا ہوگا، اور اس وقت کے دستور کے مطابق مزار سے ملحق مدرسہ قائم کیا ہوگا، اور قرآن خوانی کے لئے حفاظ ملازم رکھے گئے ہونگے،

منگولون کی تاخت اور لاہور

التمش ہی کے عہد سے پنجاب پر منگولون کے حملون کا سلسلہ شروع ہوگیا جو ڈیڑھ پونے دو سو سال تک جاری رہا، ان حملون نے سلاطینِ دہلی کی سیاسی اور اقتصادی حکمتِ عملی پر بے حد اثر ڈالا،

منگولون کی ترکتاز کا ہدف زیادہ تر پنجاب ہی بنا، اور اس کے مختلف شہر متعدد بار ان کے ہاتھون لٹے، لاہور پہلی مرتبہ ۱۲۴۱ء میں ملک معز الدین[1] بہرام شاہ کے عہد میں منگولون کی تاخت کا نشانہ بنا، ان کی ایک جمعیت نے شہر کو گھیر لیا، ملک قرہ کش حاکم لاہور مقامی باشندون کے عدم تعاون کی وجہ سے غنیم کا مقابلہ نہ کرسکا، اور بھاگ گیا، منگولون نے لاہور پر قبضہ کرکے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور بے دریغ قتل عام کیا، اس بلائے ناگہانی نے شہر کی قدیم یادگارون کو بہت نقصان پہنچایا، اور اُن مساجد، مدارس اور مقابر میں سے جو پچھلے ڈھائی سو سال میں سلطان محمود کے دور سے لیکر اُس وقت تک تعمیر ہوچکے تھے، اکثر تباہ و برباد کردیئے گئے، یقین ہے کہ اس تاخت و تاراج کے دوران میں ایبک کے مقبرے کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا ہوگا اور متعلقہ آثارِ خیر کا نظام بھی درہم برہم ہوگیا ہوگا،

اگرچہ سلطان غیاث الدین بلبن نے لکھنوتی کی مہم[2] سے فارغ ہونے کے بعد شہر لاہور کی آبادی کی طرف توجہ کی اور قلعۂ لاہور کو جو منگولون کے حملہ کی وجہ سے برباد ہوچکا تھا، از سرِ نو بنوایا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ منگولون نے پھر اُسے بے چراغ کردیا، اور اس شہر کو مدت تک وہ اہمیت اور شہرت حاصل نہ ہوسکی جو اُسے غزنوی سلاطین کے عہد میں اور ایبک کے دور میں حاصل تھی، چنانچہ خلجی اور تغلق دور کی سیاسی تاریخ میں شہر لاہور بالکل نمایان نظر نہیں آتا، اس دور کے مورخین میں یحییٰ سہرندی نے سب سے زیادہ لاہور کا ذکر کیا ہے لیکن وہ بھی شہر لاہور کی اس عہد کی تاریخ پر بہت کم روشنی ڈالتا ہے اور اکثر اوقات جب لاہور کا ذکر کرتا ہے تو اس سے صوبہ لاہور[3] مراد لیتا ہے، منگول بلوچستان اور سندھ کے راستے اُچ اور

۱؎ طبقات ناصری (انگریزی ترجمہ) جلد اول ص ۶۵۵، ۲؎ تاریخ مبارک شاہی ص ۴۱، ۳؎ تاریخ مبارکشاہی ص ۴۲، ۴؎ ایضاً ص ۵۴

ملتان پر حملہ آور ہوا کرتے تھے، اور وہان سے یا تو لاہور کی سمت آیا کرتے تھے، اور یا اکثر اوقات چنیوٹ کی راہ سے سامانہ، سنام اور ہانسی وغیرہ مقامات کو تاراج کرتے ہوئے دہلی کا رُخ کیا کرتے تھے، چنانچہ ان تمام مقامات پر فوجی چھاؤنیان قائم تھین اور ہر مقام پر منگولون کے ٹڈی دل کے ریلے کو روکنے کی کوشش کی جاتی تھی، اسی لئے وقت کے بہترین جرنیلون کو ملتان اور لاہور کے سرحدی صوبون کی حکومت پر نامزد کیا جاتا تھا،

دو آبہ باری میں شہر لاہور سے اسی پچاسی میل کے فاصلے پر ملتان کی جانب دیپالپور کا قدیم قصبہ واقع ہے، سلطان غیاث الدین بلبن کے دور میں (۱۲۶۶ء تا ۱۲۸۷ء) جب پنجاب کے مشہور اور اہم شہرون میں منگولون کی روک تھام کیلئے چھاؤنیان مقرر کی گئین تو اس جگہ بھی فوج متعین کی گئی، اس وقت جنگی نقطۂ نظر سے دیپالپور بہت اہم مقام تھا، اس کے محلِ وقوع میں یہ خوبی تھی، کہ ملتان کی تسخیر کے بعد جب منگول خواہ دہلی کی طرف جانا چاہتے یا لاہور کی سمت تو یہان کی فوجین ان کا راستہ روک سکتی تھین، شروع شروع میں لاہور کی حفاظت کے لئے یہ چھاؤنی سدِ سکندری ثابت ہوئی، لیکن آہستہ آہستہ فوجی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کی سیاسی اہمیت بھی بڑھتی گئی، اور صوبہ لاہور کے حاکم نے جو ملکی امور کے علاوہ جنگی امور کا نگران بھی ہوا کرتا تھا، فوجی امور کے انتظام کے لئے دیپالپور ہی میں رہائش شروع کی، اس لئے اس شہر نے بہت ترقی کی، اس وقت سے لاہور کی اہمیت، رونق، شہرت اور آبادی بالکل ختم ہوگئی، چنانچہ شہرۂ آفاق عرب سیاح ابن بطوطہ[1] نے جو محمد تغلق کے عہد میں (۱۳۲۵ء تا ۱۳۵۱ء) وارد ہندوستان ہوا، اس شہر کو درخورِ توجہ خیال نہ کیا، اور یہان نہیں آیا،

۱؎ ابن بطوطہ ۱۳۰۴ء میں بمقام طنجہ پیدا ہوا، تحصیل علوم کے بعد اکیس سال کی عمر میں سیاحت کے لئے نکلا، اور شمالی افریقہ، فلسطین، شام، عرب، ایران وغیرہ ممالک کی سیر کرتا ہوا، ہندوستان آیا، اور ۱۳۳۴ء میں دہلی پہنچا، ہندوستان سے نکل کر وہ جزائر شرق الہند اور چین وغیرہ علاقون میں پھرتا رہا، وطن واپس جاکر اُس نے اپنا سفرنامہ عربی زبان میں لکھا جو کہ اس دور کے سیاسی اور تمدنی حالات کا آئینہ دار ہے، اس کا ترجمہ اردو سمیت سب مشہور زبانون میں ہوچکا ہے،

شعرائے رامپور کا ایک قلمی تذکرہ

از

جناب شوکت سبزواری ایم اے

مستشرقین یورپ کو اردو ادب اور شاعری سے جو شغف رہا ہے، اس کا اندازہ اُن بے شمار تصانیف سے بخوبی ہو سکتا ہے، جو انھون نے مختلف علوم و فنون مین اپنی یادگار چھوڑی ہین، یہ اصحاب تنہا عالم و فاضل ہی نہ تھے، بلکہ شعر و سخن کا نہایت ہی رچا ہوا مذاق بھی رکھتے تھے، اور اردو و فارسی مین خاصے اچھے شعر موزون کر لیتے تھے، حال ہی مین مسٹر رام بابو سکسینہ نے انگریزی زبان مین ایک کتاب تالیف فرمائی ہے [1]، جس مین یورپین اور انڈو یورپین شعرار کے تفصیلی حالات کے ساتھ ان کا منتخب کلام بھی دیا گیا ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات ہماری زبان کا کتنا ستھرا اور پاکیزہ ذوق رکھتے تھے، اور انھون نے جو شعر کہے وہ زبان، بیان اور محاورہ کے اعتبار سے کس درجہ کے ہین،

فرانسیسی اہلِ علم کا تعلق بھی چونکہ ہندوستان سے رہا ہے، اس لئے انھون نے بھی اردو زبان کی تربیت مین خاصہ حصہ لیا، گارسان دتاسی تو بڑی شہرت کا مالک ہے، اور اس کے ادبی و علمی کارنامے آج اردو زبان کے ممتاز ترین اہلِ قلم سے بھی خراج تحسین وصول کر رہے ہین، لیکن فرانسیسی شعراء مین سے بھی

[1] European and Indo European Poets of Urdu and Persian.

بعض اہلِ فکر لطافتِ زبان کے اعتبار سے ہمارے اردو شعراء مین اچھا خاصہ مقام رکھتے ہین، ان مین سے شور، فانتوم، جوزف بردیٹ وغیرہم کا ذکر رام بابو سکسینہ نے بھی کیا ہے،

جارج فانتوم صاحب اور جتعبیں تخلص کرتے تھے، ان کے والد کپتان برنارڈ فانتوم ایک معزز فرانسیسی خاندان کے فرد تھے، اور فرانسیسی اقتدار کے عہد مین بوناپرٹ کی کونسل کی رکنیت کا شرف بھی ان کو حاصل تھا، یہ مدتون فوجی مناصب جلیلہ پر فائز رہے، اور آخر ۱۸۰۶ء مین ان خدمات سے کنارہ کش ہو گئے، یہ ایک ماہر طبیب بھی تھے، اس لئے فوجی خدمات سے سبکدوشی حاصل کرنے کے بعد طبابت کو انھون نے ذریعۂ معاش بنایا، نواب احمد علی خان بہادر والئی رامپور سے ان کو قرب خاص حاصل تھا، ۱۸۳۱ء تک وہ رامپور ہی مین طبیب خاص کی حیثیت سے ملازم بارگاہ رہے، اور آخر ۱۸۴۲ء مین بریلی مین انتقال کیا،

جارج فانتوم برنارڈ فانتوم کے خلفِ اکبر تھے، انھون نے اپنے پدر بزرگوار کے زیر سایہ رامپور ہی مین عربی، فارسی، انگریزی زبانین اور ان کے علوم و فنون کی تحصیل کی، خود جارج فانتوم نے اپنے حالات کے ضمن مین لکھا ہے کہ اس نے عربی حافظ شبراتی سے پڑھی، جو رامپور کے ممتاز ترین علماء مین سے تھے، اور فارسی کی تحصیل مولوی نور الاسلام صاحب کی خدمت مین کی، ابتدا ہی سے وہ ذوق شعری کے مالک تھے، جو کچھ کہتے تھے، میر نجف علی شفقت کو دکھاتے اور انہی سے مشورۂ سخن کرتے تھے، ان کی تصنیفات مین اردو دیوان کو چھوڑ کر شعرائے رامپور کا ایک فارسی تذکرہ اور عربی صرف کا ایک مختصر سا رسالہ بھی ہے،

میرے ایک دوست مولوی عبد الرشید صاحب کے پاس تذکرۂ شعرائے رامپور کا ایک قدیم ترین، صحیح اور نستعلیق خط مین لکھا ہوا قلمی نسخہ موجود ہے، جو میرے علم کے مطابق اس وقت تک شائع نہین ہو سکا ہے، تذکرہ فارسی مین ہے، اور قدیم تذکرون کے نہج پر لکھا گیا ہے، شعرا کے حالات تو بہت ہی مختصر اور تشنہ ہین لیکن ان کے کلام کا انتخاب بہت خوب ہے، جس مین ذوق شعری کو کام مین لایا گیا ہے،

تذکرہ عام سائز کے ۱۱۰ صفحات میں ہے جس میں ہجاء کی ترتیب سے ۶۲ رامپوری شعراء کا تذکرہ اور ان کے بہترین کلام کا انتخاب دیا گیا ہے، ہر صفحہ میں زیادہ سے زیادہ ۱۴ سطریں ہیں، کاتب کا نام درج نہیں، لیکن قیاس ہے کہ خود مولف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، سن کتابت بھی مرقوم نہیں ہے، اور بعض مقامات پر نمونہ کلام کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے، شعراء کے اسماء کی فہرست بہ ترتیب حروف تہجی درج ذیل ہے :-

تعداد شعراء بہ ترتیب حروف تہجی

(۱) اکبر صاحبزادہ محمد اکبر خان خلف حافظ الملک حافظ رحمت خان روہیلہ (۲) آمیر نواب محمد یار خان خلف نواب علی محمد خان بانی ریاست رام پور (۳) افسر نواب احمد یار خان خلف نواب محمد یار خان خلف نواب علی محمد خان (۴) امداد صاحبزادہ محمد امداد اللہ خان صاحب صاحبزادہ محمد کفایت اللہ خان، خلف نواب محمد نصر اللہ خان صاحب خلف محمد عبد اللہ خان خلف نواب علی محمد خان (۵) آزاد حکیم غلام حسین (۶) احمد، احمد خان ملک (۷) آشفتہ عنبر شاہ خان افغان،

(۸) بخشش صاحبزادہ محمد بخش اللہ خان خلف صاحبزادہ محمد کفایت اللہ خان (۹) بیمار شیخ علی بخش متوطن قدیم بریلی (۱۰) بیتاب صاحبزادہ محمد عباس علی خان خلف صاحبزادہ محمد عبد العلی خان عرف مجھلی صاحب،

(۱۱) تسلیم استاد کبیر خان قوم افغان (۱۲) تراب سید تراب شاہ خلف سید امیر شاہ،

(۱۳) ثاقب، سیف اللہ خلف کفایت اللہ بریلوی،

(۱۴) جعفر صاحبزادہ محمد جعفر علی خان خلف نواب محمد نظام علی خان خلف نواب محمد فیض اللہ خان

(۱۵) جلالی مولوی جلال الدین احمد،

(۱۶) حسرت ذوقی کایستھ رام پوری (۱۷) حیات مولوی حیات خان افغان (۱۸) حسین میاں حسین شاہ خلف میاں سید جلیل شاہ پیر نواب احمد علی خان (۱۹) حیدر صاحبزادہ غلام حیدر خان خلف صاحبزادہ محمد قاسم علی خان (۲۰) حفظ مولوی حفظ اللہ برادر مولوی نور الاسلام معلم فارسی (۲۲) حرمت

شہامت خان خلف حبیب شاہ خان افغان،

(۲۳) خورشید، ملک کریم خان،

(۲۴) رسا میر احمد علی (۲۵) رافت میاں رؤف احمد (۲۶) رفعت مولوی غلام جیلانی (۲۷) زید نواب احمد علی خان بہادر رئیس ریاست رام پور،

(۲۸) سلطان نواب محمد نصر اللہ خان بن نواب عبد اللہ خان بن نواب علی محمد خان بانی ریاست رام پور داماد نواب فیض اللہ خان (۲۵) سراج شیخ النبی سرہندی (۳۰) سراج مولوی حاجی سراج الدین احمد خان ڈپٹی مجسٹریٹ بن مولوی جلال الدین خان،

(۳۱) شائق جانی صاحب خلف کپتان فالتون صاحب (شاگرد میر نجف علی شفقت) برادر مولف تذکرۂ زیر نظر (۳۲) شفقت میر نجف علی بن اخون یار محمد خلیفہ میاں درگاہی (۳۳) شجاعت صاحبزادہ محمد شجاعت علی خان خلف نواب محمد قاسم علی خان خلف نواب محمد فیض اللہ خان (۳۴) شوق مولوی قدرت اللہ رام پوری شاگرد قائم چاند پوری (۳۵) شگفتہ انعام اللہ خان خلف کلاں صاحبزادہ محمد حبیب اللہ خان خلف صاحبزادہ محمد کفایت اللہ خان (۳۶) شاد نظیر شاہ خان غلام محمد خان (۳۷) شاگرد میاں نجیب شاہ خلف سید عطاء النبی،

(۳۸) صنعت کریم الدین (۳۹) صاحب دجہ جیس جارج فالتون خلف کپتان برنارڈ فالتون، مؤلف تذکرہ،

(۴۰) طالب حافظ شبراتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ،

(۴۱) عبرت میر ضیاء الدین مصنف پدماوت (۴۲) عشرت میر غلام علی مشہدی بریلوی،

(۴۳) عابد صاحبزادہ محمد زین العابدین خان بنبیرہ صاحبزادہ محمد عبد اللہ خان خلف نواب غلام محمد خان خلف نواب محمد فیض اللہ خلف علی محمد خان، بانی ریاست رام پور (۴۴) عباس سید عباس علی خلف سید

نادر علی مراد آبادی،

(۴۵) غفلت، احمد خان اخوندزادہ قوم خان شاگرد مولوی قدرت اللہ (۴۶) غیاث مولوی غیاث الدین رام پوری، مؤلف مولفات، شرح قصائد بدر چاچ، شرح سکندر نامہ، شرح گلستان، شرح بوستان، شرح مثنوی شاہد عزیز، شرح قصائد عرفی، و غیاث اللغات (۴۷) غمگین حکیم محمد عطاء اللہ برادر حکیم غلام حسین آزاد

(۴۸) فرحت، محمد حبیب اللہ خان صاحبزادہ،

(۴۹) قادر مولوی عبد القادر مشہور مولوی چیف صاحب (۵۰) قائم، شیخ محمد قیام الدین چاند پوری شاگرد مرزا محمد رفیع سودا،

(۵۱) کفایت، صاحبزادہ محمد کفایت اللہ خان خلف نواب محمد نصر اللہ خاں (۵۱) کرم، کرم خان شاگرد مولوی قدرت اللہ صاحب شوق،

(۵۳) لاچار (نام نہین لکھا ہے)

(۵۴) محنت نام کے متعلق لکھا ہے "نامش یاد نیست" (۵۵) مہدی صاحبزادہ مہدی علی خان خلف صاحبزادہ محمد قاسم علی خان، خلف نواب محمد فیض خان رئیس رامپور (۵۶) ماہر حکیم غلام محمد خان برادر حکیم احمد خان،

(۵۷) ناظم نواب فردوس مکان محمد یوسف علی خان والی ریاست رامپور (۵۸) نزہت میر رفیع الدرجات، خلف میر ضیاء الدین عبرت (۵۹) نحیف صاحبزادہ مہدی علی خان خلف صاحبزادہ محمد حفیظ اللہ خان (۶۰) نواب، نواب محمد کلب علی خان بہادر والی ملک رام پور (۶۱) نجف، صاحبزادہ نجف علی خان،

(۶۲) وسعت، مستقیم خان،

(۶۳) ہمدم، صاحبزادہ عباد اللہ خلف صاحبزادہ محمد فتح علی خان،

مصنف نے تذکرہ کے مقدمہ مین لکھا ہے کہ مین نے یہ تذکرہ نواب کلب علی خان بہادر کے فرمان و ارشاد سے تالیف کیا، اس لئے کہ ہر چند اردو گو شعرائے ہند کے متعدد تذکرے لکھے جا چکے ہین لیکن ان مین ایک تو مصطفیٰ آباد یعنی رامپور کے مشاہیر کا ذکر تفصیل کے ساتھ نہ کیا جا سکا، دوسرے ان کے متعلق لاعلمی کے باعث کچھ بے سر و پا باتین بھی درج ہو گئین، اصل عبارت یہ ہے:-

"ہر چند کہ اکثرے از شائقان فن شعر تذکرہ ہائے شعرائے ہند اردو گو جمع نمودہ اند لاکن کسے از وشان حالات نازک خیالان خطۂ مینو سواد مصطفیٰ آباد ...... بطور علاحدہ درج تالیفات نساختہ، با آنکہ مولفان تذکرہ جات بسبب بعد از مساکن خودہا لاعلمی از صاحبان علوم نامور آن جا، درین معنی قاصر ماندند، یا آنکہ اسامی بعض شاعران آنجان راکہ درج تالیفات خود نمودہ اند، از ممالک عام ہندوستان شمردند"

اس کے بعد یہ الفاظ ہین :-

"چونکہ این تالیف مشتمل بر واقعات قریب یکصد سال است، و کلام تمامی اساتذہ بہم نرسیدہ، لہذا، آنچہ کہ از تازہ خیالات اوشان ست، بدست آمد، بطور یادگار درج نمودہ شد"

مقدمہ کے آخر مین نواب صاحب مرحوم و مغفور کی مدح مین ۱۲۷ اشعار کا ایک قصیدہ بھی ہے جس کا مطلع یہ ہے،

خلاق وجود مہربانی در خلق وجود فادہر بانی

اس قصیدہ مین اس عہد کے عام مذاق کے مطابق صنعت تجنیس کا استعمال کیا گیا ہے، اردو دیوان کا مسودہ بھی تھا، لیکن وہ دست برد دہر سے نہ بچ سکا، اس کا صرف ایک ورق مولوی صاحب موصوف کے پاس محفوظ ہے، دیوان کا مطلع یہ ہے :-

طلوع مضمون مین کیون نہو وصف بیت ابروے جبین کا

ہلال عیدین نام و مطلع ہے میرے دیوان دل نشین کا

اس کے کل ۲۱ ابیات ہین، ایک قصیدہ خداے تعالیٰ کی حمد مین ہے، جس کے ۳۴ شعر ہین، مطلع یہ ہے:-

ثنا خوان ہے ہر ایک عالم فلک سے تا زمین تیرا

ہے بر حق نام یا اللہ رب العالمین تیرا

ایک مسدس نامہ بھی ہے، جو ہندی بارہ ماسہ کے طرز مین مصنف نے اپنے کسی دوست کو لکھا ہے، اس کے کل ۹ بند ہین، باقی کچھ ہجو نامے اور تاریخین ہین، میر نجف علی شفقت (جو مؤلف تذکرہ کے استاد ہین) کے دیوان کی تاریخ کہی ہے،

صاحب پرسید از جیبے	سال این نسخۂ لطافت
در خندہ شدہ بگفت با ناز	دیوان نجف علیِ شفقت

اپنے والد ماجد برنارڈ فانتوم کی تاریخ وفات اس شعر سے نکالی ہے،

مرنے سے اس کے بند جو باب مطب ہوا

خورد و کلان نے رو کے کہا کیا غضب ہوا

کلیات شبلی فارسی

مولانا شبلی مرحوم کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات کا مجموعہ جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستۂ گل، بوے گل، برگ گل کے نامون سے چھپے تھے، اس مین سب یکجا کر دیے گو ہین،

قیمت:- عہ

"منیجر"

استفسار و جواب

رسالہ کلمۃ الحق مین کلمۂ طیبہ کی تشریح

جناب شیخ عبد الحمید صاحب جنرل اسسٹنٹ کنٹونمنٹ آفس چھاؤنی، اورنگ آباد، دکن

کلمۂ طیبہ کے اصلی معنی اور مفہوم پر جو توحید اسلامی کی اولین کلید ہے، تفصیلی روشنی ڈال کر راقم الحروف کو شکر گذاری کا موقع عطا فرمائیں گے، کیونکہ کَلِمَۂ طیّبہ کے معانی اور مفہوم کی طرف میری توجہ میرے ایک کرمفرمانے کرائی ہے، اور اس سلسلہ مین ایک کتاب جس کا نام کلمۃ الحق ہے، بطور شہادت پیش کی ہے، کتاب مذکور ایک بزرگ حضرت عبد الرحمٰن صوفی مرحوم کی تصنیف ہے، اس کتاب کے مصنف کا دعویٰ ہے، کہ تمام علماے کرام حتیٰ کہ بعض صوفیان عظیم المرتبت خلف و سلف نے کلمۂ طیبہ کے معنی اور مفہوم کو غلط سمجھا، اور اس طرح مدت العمر بجاے کلمۂ طیبہ، کلمۂ خبیثہ پر ان کے ایمان کا مدار تھا اور ہے (نعوذ باللہ) یون تو مصنف موصوف نے بہت زیادہ شرح و بسط کے ساتھ اپنی کتاب کلمۃ الحق مین فرداً فرداً ان بزرگانِ ماضی و حال پر اپنا اظہار خیال فرمایا ہے اور اپنے بیان کی تطبیق مین جابجا از روے قواعد زبان عربی اور منطقی دلائل پیش کئے ہین، وہ لکھتے ہین:-

"والحسرۃ کمال الحسرۃ علیٰ انّ اکابر العلماء شرقاً و غرباً سلفاً و خلفاً محدثین و مفسرین مجتہدین و مقلدین، متکلمین و متفقہین قد حرفوا الکلمۃ الطیبۃ عن مواضعہا و اوّلوہا من المحکمۃ

الی المتشابة وبدلوا مضمونها بالجنیئة وهی لا اله الا غیر الله کما سیجیٔ تفصیلها ان شاء الله تعالیٰ"

اندرین حالات ملتمس ہون کہ براہِ کرم ارشاد فرمائیے کہ

(۱) اس ضمن مین مصنفِ کتاب مذکور کے دعوے کہان تک صحیح ہین ؟

(۲) اس کتاب کے متعلق علمائے شرعِ متین کی کیا رائے ہے ؟

(۳) آیا اس کتاب کے جواب مین کسی عالمِ دین نے کوئی کتاب تصنیف فرمائی ہے ؟

(۴) کیا واقعی علمائے کرام سلف و خلف نے کلمۂ طیبہ کے معانی اور مفہوم کو غلط سمجھا اور سمجھاتے رہے ہین ؟

(۵) غالباً کتاب مذکور الصدر جناب کی نظر سے گذری ہو گی، چنانچہ اس کتاب کے متعلق خود حضرتِ محترم کی کیا ذاتی رائے ہے ؟

معارف:- آپ کے دونون گرامی نامے ملے، غالباً آپ کے سامنے صوفی عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی رح کے رسالہ کلمۃ الحق کا عربی متن ہے، آپ اس رسالہ کے مباحث کو سمجھنے کے لئے مولانا محمد نور اللہ کی شرح کی طرف رجوع کرین، انھون نے ان مباحث کو کھول کر بیان کیا ہے، اور خصوصاً وہ شبہات جو آپنے پیش کئے ہین، ان کا رد کیا ہے، وہ اپنی شرح کے دیباچہ مین فرماتے ہین :-

"زعم این معنی دارند کہ حضرت مولانا در بیانِ کلمۂ طیبہ برخلاف جمہور علماء ایجاد بعضے قواعد عربیہ کردہ اند حاشا و کلا کہ ہیچ کدام قاعدۂ جدید ایجاد نکردہ باشند، بلکہ شرح و بیان قواعد مقررہ کہ کلمۂ طیبہ مشتمل بر آنہاست، تقریر اشمل و اکمل بوجہے کردہ اند کہ پیشتر ہیچ کس بدان خوبی بیان نکردہ بود۔"

مدعا صرف یہ ہے کہ اس کلمہ کے معنی ایسے جامع و مانع الفاظ مین بیان کئے گئے ہین، کہ اس

مفہوم مین فلسفیانہ و منطقیانہ اور متکلمانہ نقطۂ نظر اور اصول و قواعد کے بموجب شرک کے معنی کی وہمی و خیالی شمولیت بھی باقی نہین رہ جاتی، اور یہ مصنف کے شرح و بیان کی ایک خوبی ہے، پھر آگے چل کر مولانا نور اللہ لکھتے ہین :-

"چہارم اینکہ می دانند کہ حضرت مولانا بر بعضے علماء صوفیہ رد و قدح نمودہ اند و شان آنہا ارفع و اعلیٰ ازان ست تعالیٰ شانہ عما یقولون علواً کبیرا حسن عقیدتے کہ جناب مولانا با عامۂ صوفیہ و علماء امت دارند، دیگرے بخواب آنہا ندانستہ باشد و چہ امکان است کہ گاہے نسبت حقارت یا اہانت باد نیٰ مسلمین ہم احدے از قلم و زبان مولانا دیدہ یا شنیدہ باشد تا باقاصی چہ رسد، آرے بعضے اقوال صوفیہ و علماء در معنی و ترکیب کلمۂ طیبہ و دلائل آنکہ خلاف کتاب و سنت و مخالف ضوابط اصول و بلاغت دریافتہ اند البتہ باصلاح آن پرداختہ اند و در اظہار صواب ضرورۃً غلطی اقوال مذکورہ ظاہر می شود، چنانچہ این چنین رد و قدح از قدیم فی ما بین علماء و حکماء و مجتہدین و مقلدین جاری و ساری ست"،

مولانا عبدالرحمٰن اور دوسرے لوگون کے نزدیک کلمہ کے مفہوم کے سمجھنے مین جو فرق ہے اس کا تذکرہ ان لفظون مین آیا ہے :-

"پنجم آنکہ از عوام و خواص امت ایمان کلمۂ طیبہ بہمین معنی آوردہ اند کہ ہمہ عالم غیر خداست و خدا منحصر در تنزیہ محض است، معنی مذکور نزد مولانا عین شرک است، پس بیشتر مردم می دانند کہ اکثر امتِ محمدی صلعم را بزعم مولانا بہرہ از ایمان نیست، و در چنین زعم فساد عظیم است برای دفع ہمین گمان زاعمین حضرت مولانا در خاتمۂ این رسالہ نوشتہ اند کہ ایمان اجمالی بہ لا الٰہ الا اللہ در ضمن محمد رسول اللہ صلعم کہ جزو ثانی کلمۂ طیبہ است بکافۂ مومنین حاصل ست"؛

مولانا صوفی عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی علیہ الرحمۃ کے اس رسالہ کا تعلق دراصل مسئلۂ وحدۃ الوجود

سے ہے، اس مسئلہ کی حقیقت اعتقادی سے زیادہ کلامی ہے، صوفیانہ و متکلمانہ موشگافیوں کے سمجھنے سمجھانے اور ان پر ایمان لانے کی ذمہ داری عامۂ مسلمین پر نہیں، بلکہ عام مسلمانوں کو ان مسائل پر وقت صرف کرنے سے احتراز اولیٰ ہے، حضرت مولانا شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالۂ وحدۃ الوجود میں فرماتے ہیں:

"اعتقاد کیفیتی است قلبی کہ بندہ را از کمال علم و یقین صدق بر امرے در دل مستحکم گردد

این را در عرف شرع شریف تصدیق می گویند و اقرار بلسان برائے اجرائے احکام مسلمانی

ضرور افتاد و گرنہ بنا بر ثبوت اسلام عند اللہ اقرار ضرورتی ندارد و تصدیق قلبی کافی است

این مسئلۂ وحدۃ الوجود چنان نیست بلکہ درین جا تصدیق قلبی و تیقن و کف لسان واجب

است، چراکہ اسلام شرعی تعلق با خدا و با خلق ہم دارد و اسلام حقیقی محض تعلق با خدا دارد و آنجا

تصدیق با قرار ضرور است اینجا فقط تصدیق باید، سوائے آن در استفسار این مسئلہ فائدہ

ہمین کہ اسباب ثبوت این مسئلہ بسیار نازک و نہایت دقیق فہم عوام بلکہ فہم علمائے ظاہر کہ

از اصطلاح عرفا عاری اند قوت درک آن نمی دارد چہ علماء بلکہ صوفیانیکہ ہنوز سلوک خود

تمام ناکردہ باشند و از مقام نفس . . . .

گذشتہ بر تبۂ قلب نارسیدہ ازین مسئلہ ضرر می یابند و از مکر نفس و تنزل و لغزش پا در چاہ

اباحت و قعر ضلالت سرنگون می افتند بلکہ گرد ہا افتادہ اندکہ شہدنا ہم نعوذ باللہ من ذالک (ص ۲)

اس لئے کلمہ طیبہ کے معنی و مفہوم سادہ طور پر آپ وہی سمجھیں، جو آپ کو معلوم ہیں اور ہر طرف سے نگاہ پھیر کر سارے شکوک و شبہات کو دور کر کے اسی اعتقاد پر قائم رہیں، مزید تشریحات اور موشگافیوں میں جانا نہ آپ کے لئے مفید ہے، اور نہ آپ کے توسط سے دوسرے مسلمانوں کے لئے، صوفی عبد الرحمن صاحب کا وہ رسالہ جس موضوع پر ہے اس کے نکات کو وہی ارباب فہم سمجھ سکتے ہیں جو ان مسائل کے فہم کا ذوق اور ملکہ رکھتے ہیں، اس کی بعض ظاہری عبارتوں سے عوام میں بدگمانی پھیلنے کا اندیشہ تھا، اس کو جیسا کہ اوپر گذرا

اس رسالہ کے شارح نے دور کر دیا ہے، اگر آپ کو اس رسالہ کے پڑھنے ہی پر اصرار ہو تو اس کو اس شرح کے ساتھ پڑھئے، باین ہمہ آپ کو شرح صدر حاصل نہ ہو تو اس کو چھوڑ دیجئے، کہ آپ کے ذاتی اعتقادات کا تعلق آپ کی ذات سے ہے، کسی رسالہ میں کسی عقیدہ کے متعلق کیا تشریحات ہیں، نہ ان کا تعلق آپ سے ہے، اور نہ اُن کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے، آپ سے اسلام کا مطالبہ صرف اس قدر ہے کہ دل کے یقین کے ساتھ زبان سے اقرار جاری رکھئے، کہ آمَنْتُ بِاللہ کما ہو، یعنی میں اللہ پر ایمان لایا جیسا کہ وہ اپنی ذات و صفات کے ساتھ ہے۔

والسلام"

"ر"

شمس العلوم کا ایک قلمی نسخہ

مولوی امیر حسن صاحب
مدرس مدرسہ فیوض صمدیہ پھپھوند ضلع اٹاوہ

جناب کو ایک علمی ضرورت کے متعلق تکلیف دینا چاہتا ہوں، ہمارے یہاں کتب خانہ میں ایک قدیم کتاب نجات قرآن و حدیث کی دو ضخیم جلدوں میں مکمل موجود ہے، اور خدا کے فضل سے آفات سے محفوظ ہے، صرف کسی نامعلوم وجہ سے بعض اوراق پر پانی کا اثر ہو گیا ہے، لیکن پڑھنے میں سب آتا ہے، قدیم قسم کا چکنا اور دبیز کاغذ ہے، اور قدیمی قسم کا رسم الخط ہے، لیکن اول و آخر نہ مصنف کا نام ہے، نہ کاتب کا، نہ سنہ کتابت لکھا ہے، لہٰذا بقدر ضرورت اس کا ڈیڑھ صفحہ نقل کر کے حاضر خدمت کرتا ہوں، اس میں بعض الفاظ سمجھ میں نہیں آئے، وہ ویسے ہی نقل کر دیئے ہیں، یا دو ایک جگہ لفظ چھوڑ دیئے گئے ہیں، استدعا ہے کہ اس کے متعلق جناب تحریر فرمائیں کہ یہ کن بزرگ کی تصنیف ہے، اور کس زمانہ میں تصنیف ہوئی، اور یہ کس پایہ کی کتاب ہے، اور اس وقت تک آپ کے علم کے مطابق کہیں مطبوع ہوئی یا نہیں، اور اگر مطبوع ہے تو کہاں سے مل سکتی ہے، جناب کے علمی شغف سے امید ہے کہ اس کد و کاوش

کو بار خاطر نہ تصور فرمائیں گے، اور ہم لوگوں کو اس الجھن سے نکال کر ممنون و مشکور فرمائیں گے،

مکرر عرض ہے کہ اگر بفرض جناب اس کے متعلق انکشاف نہ فرما سکیں، تو اپنے علم کے مطابق اس مقام کا پتہ لکھئے، جہاں سے انکشاف کیا جا سکے، کتاب کا آغاز حسب ذیل عبارت سے ہے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم وعلیٰ نبیہ محمد والہٖ افضل التسلیم

الحمد للہ الواحد القدیر القادر العظیم العلیم الصانع الحکیم الجواد الکریم الذی خلق الانسان فی احسن تقویم وھداہ الی الصراط المستقیم ومن علیہ بالعقل السلیم واللسان الفصیح القویم وفضلہ علی سائر الحیوان بالقلب واللسان والفصاحۃ والبیان واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ شھادۃ بالایمان مخلصۃ ومن خطرات الشیطان مخلصۃ واشھد ان محمد عبدہٗ ورسولہ المختار من اولیائہ والمصطفیٰ من اصفیائہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وکافۃ انبیائہ، (الی آخرہ)

معارف:- نامۂ سامی کا شکریہ، کتاب مذکور کا نام شمس العلوم و دواء کلام العرب من الکلوم ہے، مصنف کا نام نشوان بن سعید الحمیری الیمنی ہے، زمانہ ۵۷۳ھ ہجری ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ شرقی کتب خانہ بانکی پور پٹنہ میں موجود ہے، اس کا ایک انتخاب جو صرف حمیری الفاظ یا منی اشعار سے مدلل الفاظ پر مشتمل ہے، ڈاکٹر عظیم الدین (پٹنہ یونیورسٹی) کی کوشش سے ۱۹۱۶ء میں مطبع بریل لائیڈن میں چھپا ہے، مزید حالات اس لائبریری کے کٹیلاگ سے معلوم کیجئے،

"والسلام"

"س"

مطبوعات جدیدہ

شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور کی انگریزی مطبوعات

Mohammad and Teachings of Quran — مرتبہ جناب محمد امین صاحب بیرسٹر ایٹ لا، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۱۱ صفحے، طباعت عمدہ، قیمت:- ۱۲ر

ایک انگریز اہل قلم جون ڈیون پورٹ نے ۱۸۶۹ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح و تعلیمات پر ایک کتاب Apology for Mukammad and Koron کے نام سے لکھی تھی، یہ کتاب اب کمیاب ہے، اس لئے جناب محمد امین صاحب بیرسٹر ایٹ لا نے زیر نظر رسالہ میں اس کتاب کی تلخیص اصل مصنف کے الفاظ میں پیش کی ہے، سیرت کے واقعات صحیح ہیں البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ صحیح نہیں لکھی گئی ہے، دار المصنفین کی سیرۃ النبی جلد دوم میں ایک مدلل بحث سے ثابت کیا گیا ہے، کہ وفات کی مستند تاریخ پہلی ربیع الاول ۱۱ھ ہے،

انگریز اہل قلم کی عقیدتمندانہ تحریروں میں بھی ان کے بعض پوشیدہ جذبات کا اظہار ہو جاتا ہے، مثلاً صفحہ ۳۵ پر یہ عبارت درج ہے: "وہ تلوار جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ میں برابر چلتی رہی، ان کے جانشینوں نے اسی وقت نیام کے اندر رکھی، جب اس کے ذریعہ ایشیا، افریقہ اور یورپ میں ایک وسیع سلطنت قائم ہو گئی، مسلمانوں کی شجاعت اور بہادری سے دنیا کے مختلف گوشوں میں ان کی حکومتیں ضرور قائم ہوئیں، مگر یہ کہنا درست نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تلوار برابر چلتی رہی، یہ

عیسائی مشنریون کا پروپگنڈا ہے، جس کی تکذیب بارہا کی جا چکی ہے،

"قرآن کی تعلیمات" کے عنوان سے اسلام کے عقائد پر بحث کی گئی ہے، اور بعض اعتراضات کے صحیح جوابات بھی دیئے گئے ہین، "کلام پاک کا اعجاز کلام" کے باب مین مختلف آیتون کے انگریزی ترجمے ہین، آخر مین لائق مرتب نے دنیا کی ممتاز شخصیتون شلاً نپولین بوناپارٹ، گیٹے، آئزک، ٹیلر، طامس کارلایل، اور گوئٹے وغیرہ کے وہ اقوال نقل کئے ہین، جن سے اسلام کے محاسن کا اظہار ہوتا ہے، امید ہے کہ سرسری مطالعہ اور تبلیغی کامون کے لئے یہ رسالہ مفید ثابت ہوگا،

God Soul and Universe in Science and Islam. مؤلفہ سر محمد یامین خان، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۳۲ صفحے،

لکھائی چھپائی بہتر، قیمت :- عہ

سر محمد یامین خان نے سنہ ۱۹۳۴ء مین شملہ مین یوم النبی کے موقع پر ایک لکچر دیا تھا، جو مذکورۂ بالا کتاب کی صورت مین شائع کیا گیا ہے، اس مین یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ سائنس کی تحقیقات جس قدر زیادہ وسیع ہوتی جائے گی، اسی قدر، خدا، روح، اور کائنات کا تخیل واضح اور روشن ہوتا جائے گا، فاضل مؤلف کی رائے مین سائنس اور مذہب دو متضاد چیزین نہیں ہین، بلکہ سائنس کے محققین اپنی نئی ایجادات و معلومات کی روشنی مین خدا کی وحدانیت اور مذہب کی حقانیت کے خود بخود قائل اور معترف ہو رہے ہین، لائق مؤلف نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام مین خدا، روح اور کائنات کا تخیل علمائے سائنس کے نظریے کے مطابق ہے، یہ تمام مباحث بظاہر بہت ہی غامض ہین، مگر زبان آسان اور سلیس ہے، اس لئے دقیق باتون کے سمجھنے مین زیادہ دقت نہین ہوتی، کتاب مین حسب ذیل ابواب ہین، جن سے مضامین کی نوعیت کا اندازہ ہوگا (۱) مختلف مذاہب مین خدا کا تخیل (۲) مسلمانون کی نماز (۳) خدا کی وحدانیت (۴) توانائی کی مختلف صورتین (۵) روح (۶) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، امید ہو کہ یہ کتاب مادیت کے پرستارون کے لئے باعث بصیرت ہوگی،

Some Moral and Religious Teachings of Al Ghazzali. مؤلفہ سید نواب علی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۰۴ صفحے،

لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت :- عار

جناب سید نواب علی صاحب نے بڑودہ کالج کی پروفیسری کے زمانہ مین اپنے دوست البن جی وی جے ری کی فرمایش پر یہ رسالہ لکھا تھا، البن جی وی جے ری کالج مذکور مین مختلف مذاہب کے بالموازنہ مطالعہ کے پروفیسر تھے، زیر نظر رسالہ امام غزالی کی تعلیمات کی وضاحت و تشریح کے لئے لکھا گیا تھا، اب کچھ ترمیم و اضافہ کے ساتھ اس کا دوسرا اڈیشن شیخ محمد اشرف لاہور نے شائع کیا ہے، اس اڈیشن مین فاضل مؤلف نے شروع مین امام غزالی کی مختصر سوانح حیات اور آخر مین ان کی کتاب منہاج العابدین مین سے ساتت وادیان کا مزید اضافہ کیا ہے، بقیہ حصہ مین "احیاء علوم الدین" کے مختلف ابواب کے اقتباسات ہین، جن کے عنوانات حسب ذیل ہین، "فطرت انسان" "انسانی آزادی اور ذمہ داری" "غرور و نخوت" "دوستی و اخلاص" "محبت کی فطرت اور انسان کی اعلی مسرت" "خدا کی وحدانیت" "خدا سے محبت اور اس کے آثار، اور رضا" پروفیسر البن جی وی جے ری نے مقدمہ مین امام غزالی کے اخلاقی، مذہبی اور مابعد الطبیعیاتی فلسفہ پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے، کہ امام غزالی اپنے بعض خیالات مین یورپین فلسفیون ڈیکارٹ، ہیوم، کانٹ اور Schleiermacher سے بہت زیادہ مشابہ ہین، اس رسالہ کے مطالعہ سے امام غزالی کی تعلیمات کا مختصر خاکہ ناظرین کے سامنے واضح طور پر آجائے گا، امام غزالی کی تصنیفات کی جو فہرست دی گئی ہے وہ مکمل نہین، اس مین ان کی بعض کتابون کے نام نہین ہین،

Metaphysics of Iqbal. مؤلفہ ڈاکٹر عشرت حسن انور، تقطیع اوسط، ضخامت ۹۲ صفحے، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ے ر

ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کے خیالات کا تجزیہ ان کی شاعری سے تو بہت کیا جا چکا ہے، مگر ان کے

فلسفیانہ رجحانات کا مطالعہ ان کی نثر کی تحریرون سے بہت کم کیا گیا ہے، زیر نظر کتاب مین ڈاکٹر عشرت حسن انور نے اس کمی کو پورا کیا ہے، اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کے مابعد الطبیعیاتی فلسفہ کا تجزیہ ان کے لکچرون Reconstruction of Religious Thoughts in Islam کے ذریعہ سے کیا گیا ہے، مولف کی راے مین ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنے فلسفیانہ خیالات مین برگسان، نطشے اور میک ٹگارٹ سے متاثر تھے، چنانچہ زیر نظر کتاب مین ان فلسفیون اور ڈاکٹر صاحب مرحوم کے خیالات کا بالموازنہ مطالعہ کیا گیا ہے، ان مباحث کے پڑھنے کے بعد اقبال کے وجدان، خودی، عالم، اور خدا کے اساسی تخیل کے سمجھنے مین بڑی مدد ملے گی، ڈاکٹر سید ظفر الحسن (سابق پروفیسر فلسفہ مسلم یونیورسٹی) کی اس راے سے جو انھون نے پیش لفظ مین لکھی ہے، کہ ڈاکٹر عشرت حسن نے اس رسالہ کو لکھکر ہندوستان کے فلسفی شاعر کی بڑی خدمت کی ہے، ہم بھی اتفاق کرتے ہین،

Iqbal as a Thinker تقطیع متوسط ضخامت ۳۰۰ صفحے،

لکھائی چھپائی، بہتر قیمت ﷲ

یہ کتاب ان اہم مضامین کا مجموعہ ہے، جو ہندوستان کے مختلف ممتاز اصحاب علم نے ڈاکٹر اقبال مرحوم کی شاعری اور فلسفہ پر وقتاً فوقتاً سپرد قلم کئے، مقالہ نگارون اور مضامین کی حسب ذیل فہرست سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوگا، اقبال کے زمان و مکان کا تخیل" از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی" اقبال کے خیالات مین ترقی پسندی کے رجحانات" از جناب خواجہ غلام السیدین" اقبال اور خدا کا تخیل" از پروفیسر محمد شریف رومی" نطشے اور اقبال" از ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم" اقبال اور تصوف" از پروفیسر فضل الرحمن" اقبال کا سیاسی نظریہ" از ڈاکٹر عزیز احمد" اقبال اور آرٹ کا تخیل" از پروفیسر کلیم الدین احمد" اقبال کی توجہ خداوند تعالیٰ کی طرف" از پروفیسر فیاض محمود، یہ کتاب ڈاکٹر اقبال مرحوم کی مختلف حیثیتون کے مطالعہ کے لئے نہ صرف مفید ہے، بلکہ اقبال کے عقیدتمندون کے لئے ایک علمی خوان ہے جس پر انواع و اقسام کے کھانے چنے ہوے ہین،

"ص ع"

جلد ۵۷ ماہ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۶ء عدد ۲

مضامین

فلسفیانہ رجحانات کا مطالعہ ان کی نثر کی تحریرون سے بہت کم کیا گیا ہے، زیر نظر کتاب مین ڈاکٹر عشرت حسن انور نے اس کمی کو پورا کیا ہے، اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کے مابعد الطبیعیاتی فلسفہ کا تجزیہ ان کے لکچرون Reconstruction of Religious thoughts in Islam کے ذریعہ سے کیا گیا ہے، مولف کی راے مین ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنے فلسفیانہ خیالات مین برگسان، نطشے اور میک ٹگارٹ سے متاثر تھے، چنانچہ زیر نظر کتاب مین ان فلسفیون اور ڈاکٹر صاحب مرحوم کے خیالات کا بالموازنہ مطالعہ کیا گیا ہے، ان مباحث کے پڑھنے کے بعد اقبال کے وجدان، خودی، عالم، اور خدا کے اساسی تخیل کے سمجھنے مین بڑی مدد ملے گی، ڈاکٹر سید ظفر الحسن (سابق پروفیسر فلسفہ مسلم یونیورسٹی) کی اس راے سے جو انھون نے پیش لفظ مین لکھی ہے، کہ ڈاکٹر عشرت حسن نے اس رسالہ کو لکھکر ہندوستان کے فلسفی شاعر کی بڑی خدمت کی ہے، ہم بھی اتفاق کرتے ہین،

Iqbal as a thinker تقطیع متوسط ضخامت ۳۰۰ صفحے،

لکھائی چھپائی، بہتر قیمت صہ

یہ کتاب ان اہم مضامین کا مجموعہ ہے، جو ہندوستان کے مختلف ممتاز اصحاب علم نے ڈاکٹر اقبال مرحوم کی شاعری اور فلسفہ پر وقتاً فوقتاً سپرد قلم کئے، مقالہ نگارون اور مضامین کی حسب ذیل فہرست سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوگا، اقبال کے زمان و مکان کا تخیل" از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی" اقبال کے خیالات مین ترقی پسندی کے رجحانات" از جناب خواجہ غلام السیدین" اقبال اور خدا کا تخیل" از پروفیسر محمد شریف، رومی، نطشے اور اقبال" از ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم" اقبال اور تصوف" از پروفیسر فضل الرحمن، اقبال کا سیاسی نظریہ از ڈاکٹر عزیز احمد" اقبال اور آرٹ کا تخیل" از پروفیسر کلیم الدین احمد" اقبال کی توجہ خداوند تعالیٰ کی طرف" از پروفیسر فیاض محمود، یہ کتاب ڈاکٹر اقبال مرحوم کی مختلف حیثیتون کے مطالعہ کے لئے نہ صرف مفید ہے، بلکہ اقبال کے عقیدتمندون کے لئے ایک علمی خوان ہے جس پر انواع و اقسام کے کھانے چنے ہوے ہین،

"ص ع"

جلد ۵۷ ماہ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۶ء عدد ۲

مضامین